ام طیفور

ساگر کنارے

دوسری قسط

"شان دار عمارت میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ ہاتھ سے گھٹنوں تک آتے کھدر کے کرتے کی سلوٹیں نکالیں اور اوپر پہنے شرگ کی فال درست کی۔ آج وہ پچھلی بار کی نسبت خاصی بہتر حلیے میں تھی۔ ریسپشن پر ابرش راٹھور کے لیے میسج چھوڑتے وہ خاصی پر اعتماد تھی۔ ریسپشنسٹ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر ریسیور کان سے لگایا اور بناوٹی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے انتظار کرنے کے لیے کہا۔

"نام کیا بتایا آپ نے۔" ریسپشنسٹ نے ایک پل کورک کر اس کا نام پوچھا



"ماحور۔ ماحور مغل۔" وہ تھوک نگل کر مسکراتے ہوئے بولی۔ اور چہرے پر لاپروائی کا تاثر سجائے ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔

"آپ پلیز جایئے۔ اپ اسٹیئرز۔ رائٹ سائڈ، فرسٹ روم۔ آپ چاہیں تو لفٹ یوز کرسکتی ہیں۔ میم آپ کا ویٹ کر رہی ہیں۔"

ریسپشنسٹ نے اس سے کہا تو اس نے گردن اکڑائی اور شکریہ کہتی آگے بڑھ گئی۔ یعنی کہ اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ دل کا ایک کونا اپنی اہمیت پر بے ساختہ خوش ہوا تھا۔

اس نے سیڑھیوں سے جانا مناسب سمجھا۔

داہنی طرف کے پہلے کمرے کا دروازہ ناک کرتے اس نے آنکھیں بند کر کے ایک بھرپور سانس اندر کھینچا اور اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"لیس پلیز۔ کم اِن۔" اندر سے اجازت ملتے ہی وہ ناب گھما کر آفس میں داخل ہوئی۔ مسحور کن خوشبو کا جھونکا اس کی ناک سے ٹکرا کر مزاج پر اچھا تاثر چھوڑ گیا تھا۔ ریوالونگ چیئر پر بیٹھا وجود چیئر کا رخ گلاس وال کی طرف کیے ہوئے تھا، جہاں سے نرم گرم دھوپ سیدھی جہازی سائز ٹیبل کی گلاس ٹاپ پر پڑ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔ میں ماحور ہوں۔" اسے مقابل کو متوجہ کرنے کے لیے یہی الفاظ مناسب لگے۔

مکمل ناول

"آیئے۔ آیئے ماحور جی۔ آپ کا انتظار تو ہم تب سے کر رہے ہیں جب سے رائنہ نے آپ کا ذکر کیا تھا۔ لیکن آپ تھیں کہ آ کر ہی نہیں دے رہی تھیں۔" ریوالونگ چیئر گھومی اور ایک انتہائی نازک و دلکش حسینہ نے اس کے استقبال کے لیے چیئر سے اٹھ کر مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔

ماحور جو یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی نے یک دم چونک کر اس سے ہاتھ ملایا۔ اپنی لٹ کان کے پیچھے اڑستے وہ مسلسل ابرش راٹھور کو دیکھے جا رہی تھی۔ جو خاکہ اس نے اپنے ذہن میں ابرش کا بنا رکھا تھا، وہ اس سے بالکل الٹ تھی۔ گو کہ اس نے ابرش کو کوئی بڑی عمر کی سنجیدہ اور متین سی عورت گمان نہیں کیا تھا کیونکہ رائنہ کی دوست تھی تو ظاہر ہے اسی کی ہم عمر ہوتی مگر اتنا نازک اندام اور مرمریں سا وجود بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے میں نہ تھا۔ وہ تو محض کالج گرل لگ رہی تھی جبکہ یہاں وہ اپنے باپ کے آفس میں بیٹھی تھی۔ ایک ٹھنڈی آہ ماحور کے سینے سے نکلی۔

"پلیز۔ ہیو آ سیٹ۔" ابرش نے اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ خاموشی سے اس کے مقابل براجمان ہو گئی۔

"مجھے رائنہ نے تمہارے بارے میں بتایا تھا ماحور۔ انفیکٹ میں نے اسے اپنے آفیشل پرابلمز کے بارے میں بتایا تھا تب ہی اس نے تمہارا نام ریکمینڈ کیا۔ بقول اس کے تم خاصی ہارڈ ورکنگ بھی ہو اور...... اور تمہیں جاب کی سخت ضرورت بھی ہے۔"

"وہ" ضرورت مند" کہتے کہتے رک گئی۔ ماحور پھیکی سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب ایسا ہے کہ یار میں بہت بری پھنسی ہوں۔ بابا نے مجھے زبردستی اپنے آفس میں بھرتی کر رکھا ہے جبکہ یہاں کا کام میرے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ لیکن میرے بابا اس معاملے میں بالکل کمپرومائیزنگ نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی تب تک کام کرو۔ میں نے تو کئی منتیں مان لی ہیں کہ میری شادی ہو جائے بس اور میری اس جنجال سے جان چھوٹے۔ تمہارا کام یہ ہو گا مائی ڈیئر کہ سمجھو بس اس چیئر پر میں بیٹھی ہوں۔ لیکن اس ٹیبل پر جو آفیشل میٹر ہے وہ سب تمہیں ہینڈل کرنا ہے۔ فائلز، ڈیٹا۔ ہر چیز تمہیں اپ ٹو ڈیٹ رکھنی ہے۔ میری میٹنگز کی ڈیٹیلز اور ان کا ارینج منٹ سب تمہارے ذمے۔ یعنی بابا کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ تمہیں اچھا سیلری پیکج ملے گا۔ الاؤنسز بھی ہوں گے اور میڈیکل ہماری کمپنی کے ہر ورکر کا فری ہے۔ بس ایفی شینسی شو کرنی ہے۔ اپنے گٹس پرو کرنے ہیں۔ رائٹ؟" وہ خوش مزاج ہی نہیں، بے تکلف بھی تھی۔ اس نے بہت ہلکے پھلکے انداز میں ماحور کو ساری بریفنگ دی تھی۔ وہ اب خاصی مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ یہ جاب اس کے لیے آسان تھی۔ وہ یہ سب ہینڈل کر سکتی تھی۔

"تو میں آج یعنی ابھی سے اپنا کام شروع کروں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ یس آف کورس! وائے ناٹ۔ بھئی میرے لیے ہی آسانی ہے اس میں۔ دراصل جب سے پاپا نے مجھے باؤنڈ کیا ہے آفس میں، میں تو شاپنگ کے لیے بھی نہیں جا سکی۔ اب تم آ گئی ہو تو مجھ غریب کو بھی ذرا فرصت نصیب ہو گی۔ لیکن تمہیں میرے ہی آفس میں بیٹھ کر کام کرنا ہو گا۔ آج تمہاری ٹیبل یہیں کارنر پر سیٹ کر دی جائے گی۔ رائٹ۔"

"جیسا آپ کو مناسب لگے میم۔ لیکن کیا آپ کے فادر کو اس بات پر اعتراض نہیں ہو گا۔" اسے تشویش سی ہوئی۔ کچھ عجیب لگی تھی یہ بات۔

"ارے نہیں ہرگز نہیں۔ فرسٹ آف آل میں تمہارے بارے میں انہیں بتا چکی ہوں، سیکنڈلی وہ میرے آفس بہت کم آتے ہیں۔ اگر آ بھی گئے دین آئی وِل ہینڈل۔ ڈونٹ یو وری۔" اس نے چٹکی بجا کر اسے یوں ریلیکس کیا جیسے سچ میں اسے خود پر بے حد بھروسا ہو۔ ماحور اس کی پُراعتماد شخصیت سے بہت مرعوب ہوئی۔

"ویسے میرا مشورہ ہے کہ آج تم ریلیکس ہو کر گھر جاؤ اور کل سے پراپر جوائننگ دو۔ کل میں اسٹاف سے تمہارا تعارف بھی کروا دوں گی۔" وہ نرم مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو ماحور جواباً اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ بیگ کندھے پر ڈال کر اٹھنے لگی تو ابرش یک دم بولی۔

"ماحور۔ یہاں کے اکاؤنٹنٹ ہیں نیر صاحب، میں ان سے بات کر لیتی ہوں۔ تم انہیں ذرا ملتی ہوئی جانا۔ وہ تمہیں ایڈوانس سیلری دے دیں گے۔ نیچے جو ریسپشنسٹ تھیں مس زوہا، تم ان سے پوچھ لینا، وہ تمہیں نیر صاحب کے آفس تک گائیڈ کر دیں گی۔ اوکے۔ دین سی یو ٹو مارو۔ گڈ لک۔" ابرش نے بات مکمل کر کے فوراً حیرت سے بت بنی ماحور کے آگے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ جو اس نے خواب کی سی کیفیت میں تھام کر چھوڑ دیا۔ سب کچھ اس کی توقع سے الٹ ہو رہا تھا اور بہت اچھا ہو رہا تھا۔ لیکن اسے یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ اسی گم صم سی کیفیت میں ابرش راٹھور کے آفس سے باہر نکل آئی۔ اس کے باہر جاتے ہی ابرش نے سب سے پہلی کال نیر صاحب کو کی۔ ماحور کی بابت بتا کر فون بند کیا اور پھر اپنا سیل فون اٹھایا اور ریوالونگ چیئر سے کمر ٹکا کر جھولتے ہوئے اس نے اگلی کال ملائی۔

"ہاں۔ ہو گیا کام رائنہ کی بچی۔ جیسے تم نے کہا تھا۔ ایڈوانس سیلری بھی مل جائے گی اسے حالانکہ یہ بابا کی کمپنی کا رول نہیں ہے۔ لیکن صرف تمہاری خاطر یار۔ یو نو ویری ویل کہ نہ تو میں اتنی "اِن کمپیٹنٹ" ہوں اور نہ ہی اتنی نکمی۔ لیکن تم نے میری گردن پر چھری رکھ کر اس لڑکی کو جاب دلوائی ہے۔ اب یہ ذمہ داری مجھے اٹھانی تو پڑے گی نا۔ اچھا میلوڈرامہ ہو تم بھی۔ اب بتاؤ شاپنگ کا کیا پروگرام ہے۔ میں کل شام میں تمہیں پک کرتی ہوں۔ ذرا مستی کریں گے۔"

ابرش راٹھور مدھری ہلکی ہنستے ہوئے رائنہ سے مزید کیا کہہ رہی تھی، یہ سننے کی زحمت ماحور نے نہیں

کی تھی بلکہ وہ بے حد احتیاط سے دروازہ بھیڑ گئی تھی۔

یک دم ڈھیر سارا پانی آنکھوں میں اکٹھا ہونا شروع ہوگیا۔ رائنہ کی دوستی کمال کے درجے کو چھو گئی تھی۔ وہ تو ابرش راٹھور سے محض یہ پوچھنے کے لیے پلٹی تھی کہ صبح اسے آفس کتنے بجے تک پہنچنا ہوگا اور یہ پلٹنا اسے رائنہ کا مزید زیر بار کر گیا۔

ابرش راٹھور کو کسی ہیلپنگ ہینڈ کی ضرورت نہیں تھی، اس نے بھی محض رائنہ سے دوستی کی خاطر ماحور کو جاب دی تھی۔ ماحور ابرش کی اعلاظرفی کی بھی قائل ہوگئی۔ بھلا کوئی خود کو دانستہ نااہل ثابت کرتا ہے کیا؟

لفٹ میں گراؤنڈ فلور کا بٹن پریس کر کے ماحور نے دیوار کے ساتھ سر ٹیک کر چند پل کو آنکھیں موند لی تھیں۔ وہ اس وقت بے حد آسودگی محسوس کر رہی تھی۔ ہر تنگی کی آڑ میں فراخی چھپی ہوتی ہے۔ آج اسے یقین ہوگیا تھا۔

☆☆☆

گھر واپسی پر پہلی دفعہ وہ خالی ہاتھ نہیں تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں موسمی پھلوں سے بھرا شاپر تھا اور دوسرے ہاتھ میں برگرز تھے جو وہ اپنے بہن بھائیوں کے لیے فاسٹ فوڈ کارنر سے پیک کروا کے لائی تھی۔ اس نے پانی کا بل بھی ادا کر دیا تھا اور گلی کے نکڑ پر دودھ والے کی دکان پر ٹھہر کر اس کا حساب چکتا کیا اور آئندہ کے لیے دودھ میں ایک کلو کا اضافہ کرواتے ہوئے اس کی گردن میں تناؤ سا تھا۔ اس کے قدم آج اٹھتے کہیں تھے اور پڑتے کہیں تھے۔

اکاؤنٹینٹ سر نیّر سے پیشگی تنخواہ لیتے ہوئے اسے زور کا چکر آیا تھا۔ دل کو وہم ہوا کہ شاید اتنی بڑی رقم کسی اور کو دینے لگے ہوں گے مگر جب انہوں نے وہ پیسے لفافے میں ڈال کر چند رسمی کارروائیوں کے بعد اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"لیجیے مس ماحور آپ کی ایڈوانس سیلری۔ لیکن آئندہ سے آپ کی سیلری آپ کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دی جائے گی۔" تو ایک پل کو اس کے آگے پوری بلڈنگ ہی ناچنے لگی۔ ہاتھ پاؤں شل سے ہوگئے۔ وہ اس تنخواہ کا تہائی حصہ کماتی تھی اور چار گنا محنت کرتی تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اس کے بیگ میں اتنے پیسے ہوں گے۔ آج اس کا بس چلتا تو وہ سارے پیسوں سے اپنے بہن بھائیوں کی خواہشات پوری کر دیتی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر چھائی خوشی نے سیف اور ریان کو ٹھٹکا دیا۔ وہ دونوں بے تابانہ اس کی طرف لپکے۔ ماحور نے ہاتھ میں تھامے لفافے میز پر رکھے اور دونوں کو گلے سے لگا لیا۔ ایک بار پھر آنسو بہتے چلے گئے۔ سیف نے بڑی محبت سے بہن کا ماتھا چوم کر اسے کرسی پر بٹھایا۔ ریان پانی لے آیا اور گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ جنت اور زوہان بھی کمروں سے نکل آئے۔ دونوں چھوٹے تھے لہٰذا سیدھا شاپروں پر لپکے۔ یہ بہت بڑی عیاشی تھی جو ان کے گھر آئی تھی۔

"مجھے جاب مل گئی سیف۔ رائنہ کی فرینڈ کے آفس میں۔ اتنی تنخواہ ہے۔ اتنی تنخواہ ہے کہ......"

"کہ میرا مہینے کا سگریٹ کا کوٹہ آرام سے پورا ہوگا اب۔ لے بھئی عقیل مغل، تیری بھی سنی گئی۔"

عقیل مغل نے بڑے موقع پر پہنچ کر اس کی بات کاٹی تھی۔ وہ جو بڑے جوش سے خوشی بانٹنے لگی تھی، بالکل جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ سارے میں یک دم خاموشی چھا گئی۔ جب سے عقیل مغل نے ریان کو زخمی کیا تھا، دونوں چھوٹے تو خاص طور پر باپ سے کترانے لگے تھے، سیف اور ریان کی بھی کوشش ہوتی کہ کم سے کم باپ سے سامنا ہو۔

ماحور نے سرد نظروں سے باپ کو دیکھا، جن کے ہر انداز میں اسے پہلی بار ہٹ دھرمی کے ساتھ دیدہ دلیری بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج صبح پیسے چھیننے کے بعد ان کی جھجک جاتی رہی۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ ماحور اتنا آسان ہدف ہوسکتی ہے۔ ناحق باہر ادھار کی خاطر جوتیاں

چٹخاتے تھے۔ اب ماحور کی نوکری لگی تھی اتنی شاندار تو اس کی تنخواہ میں سے کیا وہ اتنا بھی نہ بٹورتے کہ مہینے بھر آرام سے چرس والے سگریٹ پی سکتے۔ انہوں نے سب کی چبھتی نظروں سے حظ اٹھاتے ہوئے جیب سے ایک سگریٹ نکالی اور ماچس جلا کر اسے سلگایا۔ ماچس کی تیلی دو انگلیوں سے اچھال کر سیف کے منہ پر ماری اور ہنستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ جاتے جاتے سہمے کھڑے زوہان کے ہاتھ میں پکڑے شاپر سے ایک برگر نکالا، جنت کے ہاتھ سے دو ما لٹے پکڑے اور کمرے میں گم ہو گئے۔

پیچھے سارا ماحول بوجھل ہو چکا تھا۔ ماحور کی آنکھوں میں تفکر لال ڈورے بن کر تیرنے لگا۔ سیف نے ایک زوردار سیٹی مار کر تالی بجائی اور اس سکوت کو توڑا۔

''چلو، چلو۔ جلدی سے برگر نکالو۔ آج تو دعوت ہے ہم سب کی۔ چلو جنت۔ کچن سے ضروری برتن پکڑ لاؤ اور زوہان تم ٹی وی آن کرو۔ چلو بھئی چلو۔''

اس کے کہتے ہی سب میں ہلچل پیدا ہوئی اور کچھ ہی دیر میں وہ سب بہن بھائی اونچا اونچا ہنستے بولتے کھانا کھا رہے تھے۔ ماحور بھی بظاہر ان کے ساتھ باتیں کر رہی تھی مگر اندر سے ایک انجانا خوف اپنی جڑیں اس کے وجود میں گاڑے جا رہا تھا۔ اسے بابا کے تیور بہت کھل رہے تھے۔ وہ آج پہلی دفعہ ان سے بری طرح خوف زدہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

وسیع و عریض کھانے کی میز کی آرام دہ کرسی پر بیٹھا وہ بڑے اہتمام سے ناشتا کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ میز پر پھیلے اخبار پر بھی نظر مارتا جا رہا تھا۔ ملازم گرم گرم بھاپ اڑاتا کافی کا مگ اس کے سامنے سلیقے سے رکھ گیا تھا۔ سربراہی کرسی پر براجمان عادل پاشا نے چائے کی طویل چسکی لیتے ہوئے مسکراتی نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا اور بولے۔

''بیٹا جی، کبھی چائے کا لطف بھی اٹھا کے دیکھو۔ یہ چائے ''ارینج میرج'' کی طرح ہے، ایک دفعہ گلے پڑ جائے تو ہرگز جان نہیں چھوڑتی۔ جو اس کے ساتھ راضی، اسے کسی اور کی حاجت نہیں رہتی۔ کچھ سمجھے بیٹا جی۔''

''آہم۔'' سالک پاشا نے گلا صاف کیا اور بولا۔ ''آپ کا یہ فلسفہ میں اوروں سے شیئر ضرور کر سکتا ہوں۔ مگر اسے اپنا نہیں سکتا۔ وہ کیا ہے نا کہ ارینج ہو یا لو، دونوں شادیوں کے لیے میں نے ''کافی'' کو بطور پیمانہ مختص کر رکھا ہے۔ اب دیکھیں میرے گلے کون سی والی میرج پڑتی ہے۔ ارینج یا لو۔ یا پھر میں کافی کو ہی خیر باد کہتا ہوں۔''

''ہاہاہا۔'' عادل پاشا نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔ ''تم واقعی باتیں بنانے میں مہارت رکھتے ہو۔ تم میں مجھے اپنا آپ نظر آتا ہے۔ کبھی میں بھی ایسا ہی حاضر جواب تھا۔ اب تمہیں دیکھتا ہوں تو جیسے گیا وقت سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔'' انہوں نے محبت سے بیٹے کو دیکھا۔ سالک پاشا نے میز پر رکھے باپ کے ہاتھ کی پشت کو عقیدت سے دبایا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ عادل پاشا کے لب وا ہوئے مگر پھر جڑ گئے۔

بہت کچھ تھا جو ان کہا سا زبان پر مچلتا تھا مگر کافی عرصہ ہوا، ایک بے نام سا حجاب دونوں باپ بیٹا کے آڑے آ چکا تھا۔ بہت وقت بیت چکا جب پورا گھر ان دونوں کے قہقہوں سے گونجا کرتا تھا۔ ناشتے اور کھانے کے وقت میز پر چھری کانٹے کے بجائے ان دونوں کی آوازیں کھنکتی تھیں اور پھر سب بدل گیا۔ جیسے سارا فسوں ایک جھٹکے سے بگولے کی صورت چکر کھاتا، سکوت کے صندوق میں بند ہو گیا۔ اب دونوں باتیں بتاتے تھے ایک دوسرے کے ساتھ مگر ایک تکلف سا در آیا تھا، ایک دیوار سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس تمام صورت حال کی وجہ بالکل سامنے والی کرسی پر چپ چاپ بیٹھی خاموشی سے سلائس کو چھوٹے چھوٹے نوالوں کی صورت زبردستی حلق میں اتار رہی تھی۔ ناعمہ پاشا۔ عادل پاشا کی دوسری بیوی۔ سالک پاشا کی سوتیلی ماں۔

’’نائمہ۔ ٹھیک سے ناشتا کریں آپ۔ آپ کے ڈاکٹر نے مجھے آپ کی فزیکل فٹنس کے حوالے سے خبردار کیا ہے۔ آپ اپنی خوراک کا خیال رکھیں ورنہ مجھے مجبوراً اولڈ کلاک کسی کیئر ٹیکر کا انتظام کرنا پڑے گا، جو آپ کا مکمل خیال رکھ سکے۔‘‘ ناشتا جوں کا توں پڑا دیکھ کر عادل پاشا کو بیوی کو ٹوکنا پڑا تھا۔ وہ کئی دن سے محسوس کر رہے تھے کہ نائمہ پہلے کی نسبت زیادہ گم صم ہو گئی ہیں۔

’’میں ٹھیک ہوں عادل۔ آپ وہم نہ کیا کیجیے اور ڈاکٹر کی بات پر بھی کان ذرا کم دھرا کریں۔ اصل میں سارا دن گھر پر رہ کر بور ہوتی ہوں۔ میں اتنی سوشل ہوں نہ میری اتنی فرینڈز ہیں۔ بس اسی وجہ سے طبیعت میں قنوطیت بھرتی جا رہی ہے۔ ہاں۔ ایک راستہ ہے میرا دل لگانے کا۔ اگر رررر۔ سالک بیٹا شادی کے لیے ہاں کہہ دیں تو۔‘‘

’’ایکسکیوزمی۔‘‘ وہ بے زاری سے کرسی پیچھے کھسکاتا کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں تھامے نیپکن سے ہونٹوں کو تھپتھپا کر اسے میز پر پٹخا اور اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھا کر بنا کسی کی طرف دیکھے ڈائننگ روم سے نکلتا چلا گیا۔ عادل پاشا نے پہلے تاسف سے اس کی خالی کرسی کو دیکھا اور پھر نائمہ کی جانب دیکھ کر پھیکا سا مسکرائے، جن کا رنگ مارے خفت کے اڑ سا گیا تھا۔

’’میں آپ کو تسلی کے دو بولوں سے نہیں بہلاؤں گا نائمہ، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اتنا وقت گزر جانے کے بعد ان کی قدر و قیمت صفر ہو چکی ہے۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ سالک کے رویے نے مجھے آپ سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔‘‘ وہ شرمندہ سے سر جھکائے چائے کے کپ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولے تو نائمہ نے فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے ان کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا۔

’’پلیز۔ ایسا مت کہا کریں۔ شرمندہ تو میں ہوں آپ سے کہ اتنا وقت بیت جانے کے باوجود میں آپ کے بیٹے کے دل میں اپنے لیے جگہ نہیں بنا پائی۔ میں جس کام کو بے حد آسان سمجھتی تھی، وہ اتنا سہل نہیں تھا۔ مجھے سالک سے کوئی شکوہ نہیں عادل۔ آپ ہیں نا میرے پاس۔ آپ کا ہاتھ اور ساتھ جب تک میری پشت پر ہے مجھے کسی بات کی پریشانی لینے کی بھلا کیا ضرورت۔ آپ بھی ٹینشن نہ لیا کریں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘

’’ان شاء اللہ۔‘‘ عادل پاشا نے محبت سے اپنی بیگم کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا۔ ان کے وجیہہ چہرے پر یک دم عجیب سے تاثرات نمایاں ہوئے جنہیں نائمہ پرکھنے سے قاصر تھیں۔ اسی لمحے ان کے سیل پر کال آئی تو وہ اٹینڈ کر کے کسی سے بات کرنے لگے۔

نائمہ نے ان کا دھیان بٹنے پر سکون کا سانس لیا مگر اندر سے وہ مکمل طور پر بے چین ہو چکی تھیں۔ سالک کا رویہ ہر بار انہیں توڑ کر رکھ دیتا۔ انہوں نے اس کی ماں کی جگہ نہیں لی تھی بلکہ وہ اس کی ماں کی خالی جگہ پر آئی تھیں مگر سالک نے انہیں کبھی کوئی حیثیت نہیں دی تھی۔ ان کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے تو انہوں نے اپنا چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا لیا، مبادا عادل پاشا کی نگاہ ان پر پڑ جائے۔ ان کے بالکل سامنے سالک کی کرسی خالی پڑی تھی اور اس کے کافی سے بھرے مگ سے ابھی تک بھاپ اٹھ رہی تھی۔ جسے وہ شادی کے ذکر پر ادھورا چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ بڑے آف موڈ کے ساتھ آفس آیا تھا۔ اور اس کے اسٹاف کو بھی اس بات کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا کیونکہ جب بھی وہ برے موڈ میں ہوتا تو سب سے پہلے پیون کو کافی لانے سے منع کر دیا جاتا، وگرنہ آفس آنے کے بعد اسے دماغ چلانے کے لیے کافی درکار ہوتی تھی۔

مومن نے اپنے کیبن کی گلاس وال سے جھانک کر ایک نظر آفس کے بند بلائنڈز پر ڈالی اور

پھر اپنی جیب سے سیل نکالا اور اسے ٹھوڑی سے ٹکا کر چند پل ریوالونگ چیئر پر جھولتے کچھ سوچتے میں بتائے پھر کانٹیکٹ لسٹ میں سے ایک نمبر نکال کر کال ملائی۔ غیر محسوس طور پر اس کے لب مسکرانے لگے۔ دوسری طرف سے کال تو پک ہوگئی مگر لہجہ بے حد سڑا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹ مسکراتے سے یک دم یوں لٹکے جیسے کسی کو گدگداتے ہوئے اچانک کس کے "چپیڑ" مار دی گئی ہو۔ ایک پل کو تو اس کا دل چاہا کہ ابھی فوراً کال کاٹ دے مگر عین اسی پل اس کے کانوں نے ماحور کا لٹھ مار لہجہ سنا۔

"اگر بولنا نہیں تو کیا نبض چیک کروانے کے لیے کال کی ہے۔ ہاں۔ بولو؟"

"نبض تو نہیں چیک کروانی۔ ہاں دل یہ ضرور کرتا ہے کہ تمہاری زبان چیک کرواؤں۔ بہت تیز ہے۔" وہ مدھم لہجے میں مگر چبا چبا کر بولا۔ ماحور اس کی آواز پہچانتے ہی ٹھٹک گئی۔ اسے یاد آیا کہ جس دن مومن تراب نے اسے گھر ڈراپ کیا تھا تو اس سے سیل نمبر لیا تھا۔ مگر وہ بھول گئی تھی اور خود ماحور کے پاس اس کا نمبر سیو نہیں تھا۔

"ارے آپ تھے تو تعارف تو کرا دیتے نا فوراً۔ ناحق چار باتیں سنیں۔ کہیے کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ سوچا آپ کی خیریت معلوم کرلوں۔ سب کچھ ٹھیک تو رہا نا اس رات؟" اسے پوچھنے کے لیے کوئی خاص بات نہ سوجھی تو اسی رات کا ذکر چھیڑ دیا۔ جواب میں پل بھر کی خاموشی کے بعد خاصا تڑخ کے کہا گیا۔

"نہیں۔ بالکل بھی نہیں بلکہ اس رات زمین شق ہوئی اور آسمان ٹوٹ کر میرے سر پر گر پڑا۔ بارہ ٹانکے آئے۔ بس کچھ نہ پوچھیں۔"

"ہیں۔" اس "ہیں" میں غضب کی حیرانی چھپی تھی۔ "آر یو سیریس۔ میرا مطلب ہے کہ....."

"نا تو مجھے یہ بتائیں کہ کیا سننا چاہ رہے ہیں آپ۔ یہی کہ مجھے آپ کی گاڑی سے اترتے کسی "ویلے" محلے دار نے دیکھ کر بابا سے میری شکایت کر دی اور پھر انہوں نے میری خوب درگت بنائی۔ یا پھر اس ریسٹورنٹ کے مالک مختار چول نے مجھے دوبارہ سے ہراساں کرنا شروع کردیا ہے۔ حد ہوگئی، بندہ کوئی پوچھنے والی بات پوچھے۔ یہ کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں آپ۔"

"واللہ۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں پوچھا۔" وہ کرلا کر بولا۔

"یہ اب کہہ رہے ہیں ورنہ پوچھنا ہی تھا آپ نے۔" ماحور کی زبان کو بریک لگنی مشکل تھی۔ "چلو خیر۔ ان باتوں کو چھوڑیں۔ نوکری کا پوچھیں اب۔" وہ خود ہی پلیٹ میں رکھ کے اسے سوال پیش کررہی تھی

"نوکری۔ کیسی نوکری۔؟" وہ اس کی بات سمجھا نہیں۔

"ایسی ویسی۔ بالکل آپ جیسی۔" اس نے چٹخارہ بھرا۔

"اوہ۔ اچھا اچھا۔ تمہیں جاب مل گئی۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ ورنہ مجھے خاصی فکر تھی تمہاری۔"

"کیوں۔ آپ میری امی لگتے ہو۔ ہونہہ۔ فکر تھی۔" ماحور نے اس کے لہجے کی نقل اتاری۔ "اتنی فکر ہوتی نا تو کبھی بھی اس دن میرے ساتھ چالاکی نہ کرتے۔ سمجھے۔ یہ تو اپنی نوکری کا اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ کو معلوم ہو کہ مجھے کیسی شان دار جاب ملی ہے۔ آپ کو کیا لگتا تھا کہ مجھے کہیں جاب نہیں ملے گی بھلا۔ ایسی شاندار جاب ہے کہ بتاؤں تو ہوش اڑ جائیں گے آپ کے۔ اسمارٹ سیلری اور دیگر سہولیات علیحدہ۔ بس سمجھو کہ جو ٹانگ آپ نے کھینچی تھی نا۔ اللہ نے اسی ٹانگ پر کھڑا کردیا دوبارہ۔" وہ خود ہی سوالی، خود ہی جواب کی عملی تفسیر بنی اسے گنگ کیے ہوئے تھی۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ لڑکی آخر ہے کیا۔ حد ہوگئی۔ ہمدردی کرنے کے چکر میں ہزاروں باتیں سن لی تھیں۔ وہ بھی ایویں۔

"اچھا سنیں۔ وہ ایسا ہے کہ مجھے ابھی بہت کام ہے۔ نئی نئی جاب ہے نا تو ذرا لوڈ زیادہ ہے۔ اور آپ بھی دوسروں کی کن سوئیاں لینے کے بجائے

کام پر دھیان دو۔ آج کل اچھی نوکریاں ملتی ہی کہاں ہیں۔ اچھا رکھتی ہوں۔ اللہ حافظ۔"

''اُفف!'' کب سے اٹکی ایک طویل سانس خارج کرتے مومن نے اپنے گالوں کو پھلایا اور پیشانی مسلی۔ کس قدر بولتی تھی یہ لڑکی اور خوامخواہ میں بولتی تھی۔ اس کے دماغ کی چولیں ابھی بھی ماحور کی آواز سے لرز رہی تھیں۔ اس نے ایک اچٹتی نگاہ ارد گرد پر ڈالی۔ سب اپنے اپنے کیبنز میں مصروف تھے۔ سیٹ سے ٹیک لگا کر خود کو آرام دہ پوزیشن میں لا کر اس نے دونوں ہاتھ سر کی پشت پر باندھے۔ شہادت کی انگلی سے سر کی جلد کو کھجاتے ہوئے بے اختیار اس کے ہونٹ مسکرانے لگے تھے۔

''دوسروں کی کن سوئیاں لینے کے بجائے کام پر دھیان دو۔ آج کل اچھی نوکریاں ملتی ہی کہاں ہیں۔''

ماحور کی ڈپٹنے والے انداز میں کہی گئی بات یاد آ کر اسے ہنسنے پر مجبور کر گئی۔ وہ ہنس رہا تھا۔ دھیمے سے، ہولے سے۔ اتنی آواز سے کہ صرف اس کے کانوں کی رسائی ہو۔ اسے ماحور کی کہی ہر بات اب مزا دے رہی تھی۔ وہ اپنی طرز کی انوکھی لڑکی تھی اور یہ ماننے میں اسے کوئی عار نہیں تھا۔ اسے جاب مل جانے کے خیال نے اس کے اندر تازگی سی بھر دی تھی۔ دل پر دھرا کئی دنوں کا بوجھ یک دم ہٹ گیا۔ اس وقت اس کا دل روئی کے گالے سا ہلکا پھلکا عجب ہی لے پر گنگنا رہا تھا۔ یک بیک اس کے جی میں ماحور کو ایک نظر دیکھنے کی چاہ اٹھی جسے اس نے سر جھٹک کر نظر انداز کر دیا۔

''ایکسکیوزمی مومن۔ آپ کو سر سالک نے اپنے آفس میں بلایا ہے۔ ساتھ میں ''راٹھور اینڈ کو'' کی فائل لے جائیے گا۔ سر نے مانگی ہے۔''

کوورکر نتاشا نے اس کے کیبن میں جھانک کر سالک پاشا کا میسج دیا اور چلی گئی۔ مومن کا دھیان بٹ گیا تھا۔ وہ فوراً سیدھا ہوا اور اپنی میز کی دراز سے فائل نکال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سالک پاشا کے آفس کی طرف جاتے ہوئے بھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

☆☆☆

ائیر کنڈیشنڈ روم میں پرسکون سی خاموشی تھی۔ ماحور مصروف سی فائلز پر جھکی تھی جب کہ اس کے بالکل سامنے ریوالونگ چیئر پر جھولتی ابرش نیل فائلر سے ناخن فائل کر رہی تھی ساتھ ہی گاہے بگاہے ایک اکتائی ہوئی نظر ماحور پر بھی ڈالتی۔ کچھ دیر بعد اس نے فائلر میز کی دراز کھول کر اس میں پٹخا اور ماحور سے بولی۔

''مجھے یقین نہیں ہوتا کہ تم رائنہ کی دوست ہو۔ اتنی ڈل اور پھیکی۔'' اس کے یوں کہنے پر ماحور نے یک دم ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔

''کیوں۔ کیوں میم! مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' اس نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالتے ہوئے پوچھا تو ابرش نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا اور کہنے لگی۔

''تم انسان ہو یا روبوٹ؟ بس ہر وقت فائلز میں منہ دیے رہتی ہو یا کمپیوٹر کی اسکرین نہارتی رہتی ہو۔ تمہیں اپنے ہی روم میں بٹھایا کہ چلو اتنی پیاری لڑکی ہے، باتیں بھی پیاری کیا کرے گی مگر تم تو جیسے گھر سے حلف اٹھا کر نکلتی ہو ''میں نہیں بولنا۔'' یار کوئی بات کیا کرو۔ فیشن کی، آرٹ کی۔ یا شاپنگ کی اور کچھ نہیں تو ''آج کیا پکانا ہے'' پوچھ لیا کرو۔ آج کل کی خواتین کا پہلے پہر کا سب سے زیادہ پوچھا جانے والا سوال ہے یہ۔''

ماحور نے فائل بند کی اور پین ہولڈر میں لگاتے ہوئے مسخرانہ انداز میں بولی۔

''فیشن میں نے کبھی کیا نہیں اور میرے گھر کا سب سے بڑا آرٹ اپنے جذبات و احساسات کو قتل کرنا ہے۔ اپنی ضرورتوں کا گلا گھونٹنا ہے۔ مشکل اور تنگی میں بھی سروائیو کرنا ہے اور جہاں تک کچھ پکنے کی بات ہے تو میرے گھر ہمیشہ سے سبزی پکتی آئی ہے جو سبزی والا اس خیال سے سائڈ پر کرتا ہے کہ وہ بکنے

کے قابل نہیں ہوتی۔ ہاں! ایسی سبزی کو پکانا اور ذائقے دار بنانا واقعی ایک آرٹ ہے جو میں نے خاصی کم عمری میں سیکھا۔'' اس کی آنکھیں خود اذیتی کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اگلے ہی پل اس نے خود کو کمپوز کیا اور بامشکل مسکراتے ہوئے بولی۔

''چلیں چھوڑیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ آپ کی بوریت دور کرنے کے لیے میں کیا کر سکتی ہوں؟'' وہ اب بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔

ابرش کو رائنہ اس کے گھریلو حالات کے متعلق کافی حد تک آگاہ کر چکی تھی اس لیے وہ اس کی تکلیف سمجھ سکتی تھی۔ اس کا دھیان بٹانے کے لیے وہ چلبلے انداز میں بولی۔

''سوچ رہی ہوں شادی کروالوں۔ مگر ماما کہتی ہیں، پہلے کچھ عقل سیکھ لو۔ پاپا نے عقل سکھانے کے لیے اپنے آفس لا پٹخا۔ عقل تو مجھے پھر بھی نہیں آنی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو ہے تھی اسے بھی میں سارے آفس میں تبرک تقسیم کر چکی ہوں۔ بس ذرا سی رہ گئی ہے، وہ میں نے تمہیں دان کرنے کا سوچا ہے۔''

ابرش اوٹ پٹانگ بولنے میں طاق تھی، اس بات کا اندازہ ماحور کو ہو رہا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی جبکہ ابرش کے تاثرات مکمل طور پر سنجیدہ تھے۔ وہ مذاق کرتے وقت خود بالکل نہیں ہنستی تھی۔

''ماحور بی بی۔ لکھ لو میری بات۔ عقل سے گھر نہیں بستے۔ بلکہ ڈنڈے کے زور پر بستے ہیں۔ اب یہ ڈنڈا بھلے بیوی برسائے یا شوہر۔ جس کا داؤ چل گیا سمجھو پھل گیا۔ کیا سمجھیں؟'' وہ مدبرانہ پوچھ رہی تھی۔ ماحور نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے میں سیریسلی سوچ رہی ہوں کہ ایوننگ میں کوکنگ کلاسز جوائن کر لوں۔ کل کو میں بھی سسرال والوں کو ایک پلیٹ سالن پر ایک کلو کی گارنشنگ کر کے کھلاؤں گی تو میری بھی شو بن جائے گی۔ آج کل اصل پکے کو تو کوئی بھی نہیں دیکھتا، سب ہی ''سجاوٹ'' کے ٹماٹر پیاز کھا کے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ ہنہہ!''

''اب آپ زیادتی کر رہی ہیں میم۔ ایسا بھی نہیں ہے۔'' ماحور نے ہنستے ہوئے اس کی بات کی نفی کی۔ تو وہ دونوں کہنیاں گلاس ٹاپ پر ٹکاتی آگے ہوئی اور مسکین سی شکل بنا کے بولی۔

''چھوڑو ماحور۔ ماما کہتی ہیں کہ تمہیں کسی دن کچھ پکانا پڑ جائے تو صبح کے نو بجے سے لے کر بارہ بجے تک۔'' کیا پکاؤں، کیا پکاؤں'' کا شور ڈالے رکھتی ہو اور پھر آخر میں آلو پکا کر بیٹھ جاتی ہو۔ چلو جی خلاصی ہوئی۔''

بھرپور قہقہہ ماحور کے حلق سے آزاد ہوا اور سارے میں پھیل گیا۔ وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔ اور ایسے میں اس کی سفید رنگت میں سرخی بڑی شدت سے نمایاں ہوئی۔ مدت بعد وہ کھل کر ہنسی تھی۔ آسودگی مزاج بدل دیتی ہے۔ اس کے مزاج میں بھی نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ ابرش نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور پھر مسمسی سی صورت بنا کر لیپ ٹاپ پر جھک گئی۔ کچھ دیر میں اسے میٹنگ روم میں پہنچنا تھا۔ جہاں اس کے پاپا منصور راٹھور کی ''پاشا انڈسٹریز'' کے ساتھ میٹنگ تھی اور اس کی موجودگی ناگزیر تھی۔ پھر بھی وہ جان بوجھ کر میٹنگ کا ٹائم گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ بہت بوریت محسوس کرتی تھی ایسی میٹنگز میں۔ ابھی بھی اس کی کوشش تھی کہ بالکل آخری لمحوں میں وہاں قدم رنجہ فرمائے۔

آفس کے باہر چھوٹی سی لابی سے گزر کر میٹنگ روم کی طرف جاتے سالک پاشا کے قدم مترنم سی ہنسی سن کے چند پل کو تھم سے گئے مگر اسے منصور راٹھور کے پی اے کی تقلید میں قدم بڑھانے پڑے۔ وہ یہاں ''راٹھور اینڈ کو'' کے ساتھ عادل پاشا کے کہنے پر اگلے پروجیکٹ کی ڈیل فائنل کرنے آیا تھا، اس کی توجہ بٹ گئی تھی۔ دھیان بار بار اسی ہنسی کی طرف لپک رہا تھا۔ دل میں یہ خواہش شدت سے بیدار ہوئی کہ ہنسنے والی کا چہرہ بھی دیکھے۔ اس نے ایک نظر پلٹ کر آفس کے بند دروازے کو دیکھا، جس پر

''ابرش راٹھور۔ سی ای او'' کے نام کی پلیٹ لگی تھی۔ جہاں سے آتی ہنسی کی آواز اس کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔

☆☆☆

ماحول بہت خوش گوار تھا۔ میٹنگ کامیاب رہی تھی اور اب فارمل فضا قدرے دوستانہ محسوس ہو رہی تھی۔ عادل پاشا نے بھی دوران میٹنگ ان لوگوں کو جوائن کیا تھا۔ منصور راٹھور سے اچھی علیک سلیک تھی ان کی اور اب کاروباری مراسم بھی بننے والے تھے۔ لیکن سالک سے یہ منصور راٹھور کی پہلی ملاقات تھی۔ انہیں سالک پاشا بہت پسند آیا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی کے باپ تھے، ہر پہلو سے سوچتے اور پرکھتے تھے۔ جس وقت ابرش نے اندر قدم رکھا اور منصور راٹھور نے اس کا تعارف کروایا تو بے اختیار سالک پاشا کا جھکا سر اٹھا۔ یہی نام بالکل یہی نام ابھی ابھی وہ اس آفس کے باہر لگی نیم پلیٹ پر پڑھ کر آیا تھا۔ اس کے دل نے ایک ہارٹ بیٹ مس کی۔ وہ بہت حسین تھی۔ اتنی کہ بے اختیار دوسری نگاہ پڑتی تھی۔ حسن تھا تو نزاکت بھی بے بہا تھی۔ سالک پاشا چند پل کے لیے مبہوت سا ہوا مگر پھر فوراً حواسوں میں لوٹ کر خود کو کھرکا۔ عادل پاشا نے بھی اس کی محویت کا نوٹس لیا اور زیرلب مسکرا دیے۔

ابرش، سالک کے بالکل سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ چکی تھی۔ سالک پاشا پر نگاہ پڑتے ہی اس کی نگاہیں بھی چند پل کو جمی رہ گئیں اور پھر بار بار اٹھ کر ہٹتی رہی تھیں۔ اس قدر کشش تھی سالک پاشا کی شخصیت میں کہ وہ دم بخود تھی۔

بات چیت کا آغاز کب ہوا اور کب اختتام۔ سالک کے کان مسلسل ابرش کی جانب ہی لگے رہے۔ وہ اسے ہنستے سننا چاہتا تھا۔ ایک بار اور پھر بار بار۔ اسے اپنی کیفیت پہ بیک وقت ہنسی بھی آ رہی تھی اور الجھن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ معمولی نوعیت کا بھی رنگین مزاج نہیں تھا اور نہ ہی مخالف صنف سے دوستی رہی تھی اس کی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے خوب صورت چہرے بھاتے نہیں تھے مگر وہ خوب صورتی کے پیچھے لپکنے والوں میں سے نہیں تھا۔ جہاں دیکھا وہیں بھول گیا۔ لیکن آج ایک ہنسی کی آواز نے اسے باندھ لیا۔ اس نے عادل پاشا اور منصور راٹھور کو آپس میں مصروف دیکھا تو ابرش کو یونہی مخاطب کر لیا۔

''اور آپ کے مزید کیا مشاغل ہیں مس ابرش؟''

''میں ''مس'' کو ''مسز'' میں بدلنے کے لیے پاپڑ بیلتی رہتی ہوں۔'' وہ مسکین شکل بنائے اس انداز میں بولی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی سالک کو ہنسی آ گئی۔ ان دونوں کے درمیان میں میز تھی، جس کی شفاف سطح پر ابرش کہنیاں ٹکائی ہوئی بولی۔

''ویسے آپس کی بات ہے میں شادی کروانے میں بہت انٹرسٹڈ ہوں لیکن کیا ہے نا کہ جو لڑکا ماما، پاپا کو اچھا لگتا ہے وہ مجھے پسند نہیں آتا ہے اور جس پر میں نظر رکھتی ہوں، اسے نظر ہی لگ جاتی ہے۔ ایک دو ہفتوں میں کسی اور بہنا کو منگنی کی رنگ پہنا رہا ہوتا ہے۔ ایڈیٹ!''

سالک جو بے نیازی سے اس کی بات سنتا پانی کے گلاس سے گھونٹ بھر رہا تھا، اسے نگلنا دوبھر ہو گیا۔ اس غضب کی ہنسی ابھری تھی کہ اچھو لگتے لگتے رہ گیا۔ ''اُف! کیا ڈرامہ ہے یہ۔'' اس نے سوچا اور پھر قدرے سرسری انداز اپناتے ہوئے بولا۔

''تو مس ابرش آپ یہاں اپنے فادر کی کمپنی میں کیا کر رہی ہیں۔ مجھے تو آپ کیریئر اورینٹڈ نہیں لگ رہیں۔ آنسٹلی!''

''میں واقعی کیریئر بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتی مجھے تو میرے بڑے بھائی نے پھنسا دیا۔ وہ سڈنی ہائر اسٹڈیز کے لیے جانے سے پہلے پاپا کا دھیان میری طرف کروا کے گیا۔ ایسی دماغ میں ڈالی کہ وہ دن اور آج کا دن، میرے پاپا نے مجھے یہاں فٹ کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ میرے سسرال میں فٹ ہونے کے دن ہیں۔ حق ہا!'' اس کے لہجے کی بے چارگی سالک کو حیرت میں ڈال گئی، آیا یہ ایکٹ کر رہی ہے

یا سنجیدہ ہے۔ منصور راٹھور اور عادل پاشا گاہے بگاہے دونوں کو کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے مگر لاتعلق سے ایک دوسرے سے بات چیت میں مصروف تھے۔ سالک نے گلا کھنکار کر ابرش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے آپ کا شوق دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ شادی آپ کی بچپن کی آرزو ہے جو پوری ہو کے نہیں دے رہی۔ رائٹ؟''

''ہاہاہا......'' تازگی سے بھرپور خوب صورت قہقہہ ابرش کے حلق سے آزاد ہوا اور سالک پاشا کو ساکت کر گیا۔ اس کی نظروں میں اچانک سرد مہری سی اتر آئی۔ اس نے میکانکی انداز میں ابرش کی آنکھوں میں مسلسل دیکھتے ہوئے ٹانگ سے ٹانگ اتاری اور سیدھے ہو کر میز پر سے اپنی گاڑی کی چابی اور سیل فون اٹھایا۔ ساتھ والی کرسی پر پڑا لیپ ٹاپ کا بیگ تھاما اور اس کے محسوسات سے بے خبر بے تکان بولتی ابرش کی مزید کسی بات کا جواب دیے بغیر کھڑا ہو گیا۔

''سوری ابی۔'' اس نے عادل پاشا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بہت ضروری کال آگئی ہے۔ آئی ہوپ ٹو لیو۔ بائے ایوری ون۔'' سب کو الوداع کہتا وہ ناک کی سیدھ میں میٹنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کی اس حرکت سے ابرش راٹھور کے چہرے کا رنگ خفت کے مارے کیسا زرد سا ہو گیا تھا۔ خود عادل پاشا بھی عجیب سا محسوس کر رہے تھے۔ سالک کبھی بھی اتنا ال مینرڈ نہیں رہا تھا۔ انہیں یک دم تشویش سی لاحق ہوئی۔ مگر ماحول پر طاری سالک کی اس حرکت کا اثر زائل کرنے کے لیے مزید کتنی ہی دیر منصور راٹھور اور ابرش سے گپیں مارتے رہے۔

☆☆☆

اس کا دل شدت سے ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔ وہ بے دلی سے کاریڈور عبور کرتا اسی روم کے باہر ایک لمحے کو آ کھڑا ہوا جس کے ماتھے پہ سنہری پٹی پر ابرش راٹھور کا نام لکھا تھا۔ اس کے تصور میں اوس کی بوند جیسی شفاف ابرش کا سراپا لہرایا۔ جس وقت اس نے میٹنگ روم میں قدم رکھا تھا، لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے ابرش کی خوب صورتی نے متاثر کیا تھا مگر وہ بڑا پرسکون آدمی تھا۔ اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھنے میں ماہر۔ لیکن ایک سوچ، جس نے اسے سارا وقت بے چین کیے رکھا کہ ایک بار ابرش کو ہنستا سنے۔ وہ بانسری کے سحر جیسی مترنم ہنسی آیا اسی مہ جبیں کی تھی۔ اپنی عادت کے برخلاف اس نے ابرش سے بلاوجہ باتیں کیں۔ اس کے سوال کے جواب میں ابرش کھلکھلا کے ہنسی تو بلاشبہ اس کا ہنسنا کشش رکھتا تھا مگر یہ وہ ہنسی نہیں تھی۔ اس ہنسی میں تو سحر تھا جس نے سالک پاشا کے دل کو باندھا تھا۔ قدموں سے لپٹی تھی۔ وہ ہنسی کھنڈر میں سہج سہج چلتی صندلی پیروں سے لپٹے گھنگھروؤں کی چھنک جیسی تھی۔ ہاں۔ بالکل ایسی ہی وہ۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ نے چھب دکھلائی۔ اسے یہ تشبیہ اچھی لگی تھی۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ لفٹ کے قریب آتے آتے اس کے سیل پر تھرتھراہٹ ہوئی۔ مومن کی کال تھی۔ یس کا بٹن پریس کر کے اس نے سیل فون کان سے لگایا اور قدموں کی رفتار تیز کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں مومن۔ میں بس نکل۔ رہا ہوں۔ تم انہیں بٹھاؤ۔ میں۔''

وہ لفٹ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بٹن پر ہاتھ رکھتا، لفٹ کا دروازہ کھلا اور کوئی اندھوں کی طرح تیزی سے باہر نکلتا سالک سے بری طرح ٹکرایا۔ اس کا سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لفٹ کے دروازے کے باہر رکھے آرائشی گملوں کے پیچھے جا گرا اور بدقسمتی سے اسے پتا بھی نہ چلا کہ وہ گیا کہاں۔ اس کی مومن سے بات ادھوری ہی رہ گئی۔ وہ انتہائی کوفت کا شکار ٹکرانے والے کو دیکھنے لگا جو ڈھیٹ بنی اس کے مقابل تن کے کھڑی اسی کی گوشمالی کے لیے تیاری پکڑ رہی تھی۔ یادداشت اس کی ہمیشہ سے کمال کی تھی۔ ذرا تاخیر کے بغیر اسے

یاد آ گیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو انٹرویو کے لیے اس کے آفس آ چکی ہے اور جو مومن تراب کو بلا تحقیق سفارشی کہہ کر باقی تمام امیدواروں کو بھی بددل کر کے وہاں سے لے گئی تھی اور مقابل ماحور تھی جو بھی بھی سالک پاشا کو بھول سکتی ہی نہیں تھی کیونکہ اس دن کی یاد آج بھی اس کا حلق کڑوا کر دیتی تھی۔

''ایک تو یہ سوٹ بوٹ پہن کر آپ لوگ آنکھیں شاید فریزر میں رکھ آتے ہیں۔ تب ہی کہیں بھی کسی سے بھی منہ اٹھا کر ٹکرا جاتے ہیں۔ بندہ دو منٹ انتظار ہی کر لیتا ہے۔ لفٹ نے مجھے باہر اگل کر آپ ہی کو نگلنا تھا پر صبر نامی شے تعویذ کی صورت تھوڑی نا ملتی ہے ورنہ ہر شخص گلے میں لٹکا تو لیتا۔'' تڑ تڑ گولیاں برساتی ماحور کو سالک پاشا نے قدرے اچنبھے سے دیکھا۔ پہچان کی رمق اس کی آنکھوں میں بیدار ہوئی مگر ماحور نے زبان کو اگلے گیئر پر ڈال دیا تھا۔

''اب موبائل اللہ جانے کہاں منہ چھپا کے نکل گیا آپ کا۔ پتا نہیں کیسا خناس بھر رکھا تھا اس میں جو۔''

''محترمہ آپ ایک سیکنڈ کے لیے خاموش ہوں تو میں بھی کچھ عرض کر سکوں۔'' سالک کو اسے ٹوکنا پڑا تو وہ خاموش ہو کر اسے کڑی نظروں سے گھورنے لگی۔

''میرا موبائل آپ سے ٹکرا کر گرا تھا۔ پلیز اسے ڈھونڈنے میں میری ہیلپ کیجیے۔''

''میں ہیلپ کروں؟ میں؟ وہ کیوں جی۔ میں کوئی کھوجی ہوں۔ میرے اپنے بڑے مسئلے مسائل ہیں۔ اب یہاں موبائل ڈھونڈنے میں وقت برباد نہیں کر سکتی میں۔ ویسے بھی آپ ہی کی غلطی سے وہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹا تھا۔'' انگارے تو وہ ہر وقت چبائے رہتی تھی مگر سالک پاشا کو دیکھ کر وہ مزید تپ چکی تھی۔ آخر یہ وہی تھا۔ مومن تراب کا باس۔

''ارے بابا تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ اسے اردگرد ہاتھ مار کر تلاش کریں۔ آپ بس اتنا کریں کہ اپنے سیل سے میرے نمبر پر کال کریں، ابھی پتا چل جائے گا کہاں جا گھسا ہے میرا موبائل۔''

''اوئے ہوئے۔ کتنے چالاک آدمی ہیں آپ۔ اس بہانے میرا نمبر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ توبہ توبہ کیسی کیسی حرکتیں ایجاد ہو گئیں اور میں بس ''ضرورت ایجاد کی امی ہے'' والا محاورہ ہی آج تک ذہن میں بٹھائے ہوئے ہوں۔ توبہ توبہ۔'' اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی۔ سالک کو شدید کوفت ہوئی۔ عجیب آئٹم تھا۔ اس نے دل میں سوچا اور پھر تحمّل سے مخاطب ہوا۔

''دیکھیں۔ بات کا بتنگڑ مت بنایے۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ میں لڑکیوں کے نمبرز اکٹھے کرتا پھروں۔ نہ ہی میں کھلنڈرا ٹین ایجر ہوں۔ آپ کا نمبر حاصل کرنے کے لیے مجھے آپ کے سیل سے کال کی ضرورت نہیں، وہ میں اس سے زیادہ آسان طریقے سے حاصل کر سکتا ہوں۔ آپ بے کار کے شبہات میں نہ پڑیں۔ میں ابھی کسی پیون کے سیل سے اپنے نمبر پر کال کر لیتا ہوں۔'' بڑے شائستہ انداز میں اس کی طبیعت صاف کرنے کے بعد وہ رخ موڑ کر کاریڈور میں جھانکنے لگا۔ ماحور کے تن بدن میں غصہ پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔ اس نے سالک پاشا کے داہنے کندھے پر شہادت کی انگلی سے دستک دی۔

سالک نے چہرہ اس کی طرف واپس پھیرا تو اس نے ذرا سا جھک کر کلائی سے کوٹ کا کف تھام کر اس کا ہاتھ ایک جھٹکے سے اونچا کیا اور دھپ سے اپنا سیل اس کی چوڑی ہتھیلی پر دھر دیا۔

''زہر لگتے ہیں مجھے ایسے مرد جو مفت میں سیانے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ پکڑیں سیل اور اپنے فرار شدہ موبائل کو سرچ کر لیں۔ سمجھے۔ زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں۔''

سالک پاشا اپنی ہتھیلی پر رکھے اس کے چھوٹے سے عام سے موبائل کو تک رہا تھا مگر دماغ ابھی تک اس لڑکی کی ''تکنیک'' کو سراہ رہا تھا۔ کس مہارت

سے اس نے بغیر اسے چھوئے اس کا بازو اور ہاتھ دونوں چھوڑ لیے تھے۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھنے کے بعد اس کے سیل سے اپنا نمبر ملانے لگا۔ پہلی ہی بیل پر قریبی گملے کے پیچھے سے آواز کا تعین ہو گیا۔ ماحور نے لپک کر وہاں سے موبائل نکالا اور سالک کے ہاتھ میں دینے کے بجائے خود ہی اس کا اسکرین لاک اوپن کیا اور کال لاگ میں جا کر اپنے نمبر سے کی جانے والی مسڈ کال کو حذف کر دیا۔ اس سارے عمل کو سالک پاشا نے تحیر سے ملاحظہ کیا۔ وہ اس کی حاضر دماغی پر اش اش کر اٹھا۔ اگلے چند لمحوں میں مکمل تسلی کے بعد ماحور نے اسے موبائل واپس تھماتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا ہے نا۔ اب بھلے آپ کے پاس اتنا فالتو وقت نہ ہو کہ لڑکیوں کے نمبر جمع کرتے پھریں مگر میرا نمبر اتنا فالتو ہرگز نہیں کہ کسی کے سیل میں یونہی ''اکٹھا'' ہوا پڑا رہے۔ یہ لیں اپنا سیل اور اس کو حفاظت سے رکھیے گا۔ ہیو آ گڈ ڈے سر۔'' اس کے ہاتھ میں سیل تھمائی وہ آگے بڑھ گئی۔ سالک وہیں کھڑا اس کی پشت دیکھتا رہا اور اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر لفٹ میں داخل ہوتا اس کے کانوں میں ماحور کی ہنسی کی کھنکتی آواز پڑی۔ وہ وہیں ساکت ہو گیا۔ کاریڈور کے اختتام پر کسی لڑکی کے پاس رک کر وہ بات کرتے ہوئے ہنس رہی تھی اور سالک پاشا کے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس کے بس میں نہ لمحوں کو قید کرنا تھا نہ وقت کو تھامنا ورنہ وہ اس پل میں ماحور کی ہنسی کی آواز کو کسی قیمتی جوہر کی طرح لپیٹ کر ہمیشہ کے لیے سنبھال لیتا۔ اس نے سر جھٹکا اور اس کے سراپے پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ متانت سے مسکراتا لفٹ میں داخل ہو گیا۔ سالک پاشا کے دل میں شدت سے کافی کی طلب جاگ اٹھی تھی۔

☆☆☆

آدھی رات گزر چکی تھی مگر نیند تھی کہ آ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ کہاں وہ دس بجے تک سو جانے والی اور کہاں رات کے پونے دو بج چکے تھے۔ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو اٹھ کر ٹیرس پر چلی آئی۔ جاتی سردیاں تھیں، موسم میں ابھی بھی اس پہر شدت تھی۔ اس نے ایک طائرانہ نگاہ لان پر ڈالی۔ اس کے موروں کی جوڑی اپنے پنجرے سے باہر سر جوڑے آرام کر رہی تھی۔ ان ہی کو دیکھتے ہوئے وہ وہیں راکنگ چیئر پر بیٹھ گئی۔ موسم کا فسوں اس کے حواسوں پر طاری ہو رہا تھا اور ذہن تھا کہ بھٹک بھٹک کر بار بار اسی مغرور نقوش اور روشن پیشانی والے شخص کی طرف چلا جاتا۔ اب تو عاجز آ چکی تھی وہ۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا کہ ایسی بھی کیا بے اختیاری۔

لیکن وہ بھی کیا کرتی۔ سالک پاشا کوئی عام سا تو نہیں تھا۔ وہ نہ صرف بے حد خاص تھا بلکہ اس کا ادراک بھی رکھتا تھا۔ ابرش نے اسے آج پہلی بار دیکھا اور دیکھتے ہی اس کے حواس جھنجھنا گئے۔ وہ میٹنگ روم میں داخل ہوئی تو پہلی نگاہ اسی پر پڑی اور ٹھہر گئی۔ وہ سارے ماحول پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ ابرش کو ارد گرد کی ہر شے تحلیل ہوتی محسوس ہوئی، بس اس کا عکس تھا۔ اس کے بولنے کا انداز اور بات کرنے کے دوران جس طرح اس کی آنکھیں سکڑتی اور پھیلتی تھیں۔ ابرش نے کسی مرد کی اتنی روشن آنکھیں نہیں دیکھی تھیں یا پھر اس نے کبھی کسی پر اس قدر غور ہی نہیں کیا تھا۔ وہ دل تھام گئی تھی اس بار۔ سالک پاشا اس کے حواسوں پر سوار ہو گیا۔

وہ حیران رہ گئی تھی بلکہ اسے برا لگا تھا جب یک دم وہ اسے بات کرتا چھوڑ کر معذرتی کلمات کہتا وہاں سے چلا گیا لیکن پھر بھی دل نے اس کے اس عمل کو زیادہ دیر تک مزاج پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ گھر آ کر بھی وہ کھوئی کھوئی سی تھی اور وہی کیفیت ہنوز تھی۔ پر اب تو وہ سچ میں تھک گئی تھی اسے سوچ سوچ کر۔ مگر سالک پاشا اتنا ہٹ دھرم تھا کہ پورے کروفر سے اس کے حواس سلب کیے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں آنکھیں میچ کر بڑبڑائی۔

''کیا ہے۔ دفع بھی ہو جاؤ۔ اب ایسے بھی

نہیں ہو کہ میں اتنی رات گئے تمہیں سوچ رہی ہوں۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔"

اس نے بے چارگی سے آنکھیں کھول کر انہیں گول گول گھماتے ہوئے اردگرد کا جائزہ لیا اور آواز کے ساتھ سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔

"شکل ہی تو اچھی ہے ظالم کی۔ اف! ورنہ مینرز تو نام کو نہیں۔ اس معاملے میں تو دو پڑنی چاہئیں اسے۔ ہونہہ۔"

اسے سالک پاشا کے ہاتھوں اپنی بے عزتی یاد آئی تو گردن میں تناؤ پیدا کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بدتمیز آدمی۔ ایسے لوگوں کو کیا یاد رکھنا۔ بس اب بہت ہوا۔ میں اب سوؤں گی۔ بس۔"

وہ خود کو گھرکتی اندر جا کر لیٹ گئی اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ چھم سے سالک پاشا کا سراپا اس کی بند پتلیوں پہ اتر آیا۔ اس نے بے بسی سے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

☆☆☆

"کیا مسئلہ ہے ابرش۔ سکون سے کھاؤ۔ پیچھے کوئی لگا ہے یا تمہیں بس کو پکڑنا ہے۔"

ابرش کو جلدی جلدی ناشتا کرتا دیکھ کر مسز منصور نے ٹوکا۔ ساتھ ہی انہوں نے چاکلیٹ ملک کا گلاس اس کے آگے کیا۔

"نانانا۔ بالکل بھی نہیں۔ میں بہت لیٹ ہو گئی ہوں آج ماما۔ رات بہت دیر سے نیند آئی تو صبح آنکھ بھی نہیں کھلی۔ آپ پلیز اسے اس وقت رہنے دیں۔" اس نے عجلت میں ابلے ہوئے انڈے کا بڑا سا ٹکڑا نگلتے ہوئے گلاس پرے کھسکایا۔ ساری رات سوتے جاگتے کٹ گئی تھی اور نتیجتاً وہ بہت لیٹ ہو چکی تھی۔ منصور راٹھور وقت کے بہت پابند تھے اور کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ آگے پیچھے وہ ان سے بس آدھا پونا گھنٹہ ہی لیٹ پہنچتی تھی مگر آج تو ساڑھے نو ہو چکے تھے۔ اس نے باقی کا انڈہ ہاتھ میں تھاما اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کندھے پر بیگ لٹکایا، گاڑی کی چابی اٹھائی اور بولی۔

"یہ میں راستے میں کھا لوں گی۔ میں چلی۔ مزید دیر ہوئی تو پاپا مجھے فرائی کر دیں گے۔"

"شرم تو نہیں آتی۔ ہمیشہ فضول ہی ہانکتی ہو۔"

مسز منصور کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ ابرش نے جھک کر ان کا گال چوما اور بولی۔

"آپ کو اپنے میاں کا ابھی پتا نہیں نا کہ وہ باس کیسے ہیں۔ کبھی کبھار تو میں خود شک میں پڑ جاتی ہوں کہ آیا یہ پاپا ہی ہیں یا میرا وہم ہے۔"

"بک بک کرتی جانا بس۔ اب نکلو جلدی اور گاڑی سکون سے چلانا۔ پہنچ کے کال کر دینا۔" مسز منصور نے محبت سے اسے گھرک کے جوابی بوسہ دیا تو وہ اللہ حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتیں اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہوئیں، جو مسلسل بلنک کر رہا تھا۔ وہ اپنا سیل فون سائلنٹ پر ہی رکھتی تھیں اور یہ ان کے بیٹے ارسل کی سڈنی سے کال تھی۔

دو ہی تو اولادیں تھیں۔ ایک ویسے ہی اعلا تعلیم کے لیے سڈنی میں تھا اور دوسری کو منصور صاحب نے آفس میں کھپا لیا تھا۔ ایسے میں سارا دن وہ ملازمین کے ساتھ گپیں مارا کرتیں یا پھر بیٹے سے بات کرنا ان کا دل پسند مشغلہ تھا۔

گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہی ڈیش بورڈ پر پڑا اس کا موبائل اس زور سے بجا کہ وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔ ذرا سا آگے ہو کر دیکھا تو ماحور کالنگ اسکرین پر روشن تھا۔ اس نے انگلی کی جنبش سے کال کاٹ دی۔ اسے اندازہ تھا کہ ماحور سمجھ جائے گی کہ وہ گھر سے نکل چکی ہے جب ہی کال پک نہیں کی۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے اس نے ساتھ والی سیٹ پر پڑے اپنے شولڈر بیگ میں ہاتھ ڈال کر سن گلاسز ٹٹولے اور انہیں آنکھوں پر لگانے ہی لگی تھی جب سامنے کا منظر دیکھ کر اسے فوراً دوسرا ہاتھ بھی گلاسز سمیت اسٹیئرنگ وہیل پر جمانا پڑا۔ اس نے گاڑی کی رفتار کم کی اور پلکیں جھپک جھپک کر خود کو یقین دلایا کہ آیا وہ خواب دیکھ رہی ہے یا واقعی اس بڑے سے محل نما بنگلے سے ابھی

ابھی سالک پاشا کی گاڑی ہی نکل کر گئی تھی۔

ساری رات حواسوں پر سوار رہا تھا، شاید اس لیے پتلیوں پر اس کا عکس جم گیا ہے۔ اس نے ایک بار پھر زور زور سے پلکیں جھپکیں اور مخالف سمت میں مڑتی لینڈ کروزر کے اندر بیٹھے نک سک سے تیار سالک پاشا کو ترسی نگاہ سے دیکھا اور ٹھنڈا سانس بھرا۔

"کتنی بے نیازی چھائی رہتی ہے اس اکڑو کے چہرے پر۔" اپنی ننھی سی ناک سکیڑتے ہوئے وہ بڑبڑائی اور رشک سے اس بنگلے کو دیکھا، جسے آج تک ہزاروں بار دیکھتی آئی تھی۔ اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اس راستے سے گزرتے ہوئے اس عالی شان بنگلے کو شوق سے دیکھا کرتی تھی۔ حالانکہ اس کا اپنا بنگلہ بھی شاہانہ طرز تعمیر کا منہ بولتا ثبوت تھا مگر جو دل کشی اور نفاست اس رہائش گاہ کے در و دیوار سے چھلکتی تھی وہ ہر بار اس کے اندر شدت سے یہ خواہش بے دار کر دیتی کہ کاش۔ کاش ایک بار وہ اسے اندر سے دیکھ سکے اور آج قدرت نے اسے موقع دیا تھا۔ اس نے اگلے ہی پل اندر جانے کی ٹھانی اور گاڑی گیٹ کے آگے روک دی۔

"پر اندر جا کر کہوں گی کیا؟" اس نے سوچا۔ معاً اس کی نظر ڈیش بورڈ پر رکھی فائل پر پڑی تو اسی کو ہاتھ میں تھاما اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔

"کہہ دوں گی، عادل انکل نے یہ فائل منگوائی تھی۔ سوچا یہاں سے گزرتے ہوئے دیتی جاؤں۔" جملہ ترتیب دیتے ہوئے اپنے آنے کا جواز گھڑا۔ ہاتھ میں گلاسز ابھی تک تھام رکھے تھے، انہیں بالوں پر ٹکایا۔ ایک نگاہ اپنے لباس پر ڈالی اور بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگلے ہی پل چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ وہ تھوک سے گلا تر کرتے ہوئے بولی۔

"پاشا صاحب گھر پر ہیں۔ یہ فائل انہیں دینی ہے۔"

چوکیدار نے اسے گھورا اور لٹھ مار لہجے میں بولا۔

"چار منٹ پہلے آتا تو ساب مل جاتا۔ اب یہ پھائل واپس لے جاؤ اور آپھس میں پہنچاؤ۔"

وہ اسے آفس ورکر سمجھا تھا۔ ابرش کا تو دماغ گھوم گیا۔ چوکیدار کا دماغ درست کرنے کے لیے اپنے لہجے کو درشت کیا اور سختی سے بولی۔

"تمہیں پتا ہے میں کون ہوں۔؟"

"تم ایک لڑکی ہے اور کیا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔ ساتھ ہی کان میں انگلی بھی پھیری۔ ابرش چڑ کر رہ گئی۔ "مغرور انسان کے ملازم بھی اسی کے جیسے ہیں۔" دل میں کہہ کر وہ دوبارہ چوکیدار سے کڑک لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"اب تو میں سیدھا آپھس ہی جاؤں گی اور جاتے ہی تمہارے ساب سے شکایت کروں گی، جب میری شکایت پر تمہاری چھٹی کرائی جائے گی نا تب تمہیں پتا چلے گا میں کون ہوں۔ پھر یہی پھائل آ کر میں تمہارے سر پر بجاؤں گی۔ اب شرافت سے اندر جاؤ اور بیگم ساب کو بولو۔ ابرش راٹھور آئی ہے۔"

اس کے لہجے کے اعتماد نے چوکیدار کا اعتماد ڈگمگا دیا۔ وہ الٹے قدموں پلٹ کے اندر گیا اور نتیجتاً کچھ ہی دیر میں ابرش، ناعمہ پاشا کے سامنے موجود تھی۔

"میں معذرت چاہتی ہوں بیٹا۔ لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

بے حد خوب صورت اور سجے ہوئے ڈرائنگ روم کے صوفے پر بظاہر اعتماد کے ساتھ بیٹھی ابرش سے ناعمہ پاشا نے بہت ملائمت سے سوال کیا۔ وہ جو یک ٹک ان کا حسین چہرہ دیکھے جا رہی تھی، چونک کر سیدھی ہوئی اور بولی۔

"وہ ایکچوئیلی آنٹی۔ میرا نام ابرش ہے۔ ابرش راٹھور۔ میں منصور راٹھور کی بیٹی ہوں۔ عادل انکل کی فرم سے پاپا کے بزنس ٹرمز ہیں۔ یہ کچھ ضروری پیپرز تھے جو عادل انکل کو چاہیے تھے۔ پاپا گھر بھول گئے تو سوچا میں خود دیتی جاؤں۔" اپنی زندگی میں کسی معاملے کا سب سے بھونڈا جواز اس نے آج پہلی بار کسی کے سامنے دیا تھا۔

''اچھا۔ حیرت ہے۔'' نائمہ پاشا نے اچنبھے سے اس کی گود میں رکھی فائل کو دیکھا۔ ''پاشا نے ویسے آج تک کبھی آفیشل میٹر گھر نہیں منگوایا۔ ہو سکتا ہے یہ کانفیڈینشل ہو اس لیے منگوالیا ہو۔ آپ یہاں ٹیبل پر رکھ دو اور ایزی ہو جاؤ۔ میں آپ کے لیے کافی لاتی ہوں۔ اصل میں خانساماں ابھی تک کوارٹر میں ہے۔ میں خود اسے اتنی صبح کچن میں آنے سے منع کرتی ہوں۔ پاشا کا ناشتا میں ہی بناتی ہوں۔ اس لیے خواہ مخواہ بے چارے کو کچن میں باؤنڈ نہیں کرتی میں۔'' وہ مسکراتی ہوئیں اٹھ کر ڈرائینگ روم سے باہر چلی گئیں تو ابرش نے کب کا اٹکا سانس بھرپور آواز کے ساتھ چھوڑا اور اطمینان سے صوفے سے کمر ٹیک کر ذرا پھیل کر بیٹھتے ہوئے بڑبڑانا شروع ہوئی۔

''لگتا ہے آنٹی کو بہت دن بعد کوئی بات کرنے کو ملا ہے۔ اتنی لمبی بات۔ ویسے ہیں کتنی حسین۔ لگتا ہی نہیں کہ جوان بیٹے کی ماں ہیں۔ سالک نے لگتا ہے سارا حسن انہی سے لیا ہے۔ ویسے کم ڈیشنگ تو عادل انکل بھی نہیں ہیں۔ کیا فیملی ہے بھئی اور کیا گھر ہے۔'' وہ پرستائش نظروں سے ڈرائنگ روم کی آرائش دیکھنے لگی تو نظر ہوتے ہوتے واپس شیشے کی میز پر رکھی فائل پر پڑی۔ اس نے لمحے کی بھی دیر کیے بغیر جھپٹ کر فائل اٹھائی اور واپس اپنے بیگ میں ٹھونس دی۔ گزشتہ ہفتے ماما کا چیک اپ کروایا تھا۔ اس فائل میں ان کی رپورٹس تھیں۔ شکر تھا نائمہ پاشا نے کھول کر نہیں دیکھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انہیں باتوں میں لگا لے گی تو وہ فائل شائل سب بھول جائیں گی اور وہی ہوا۔ اگلے آدھے گھنٹے میں وہ گہری سہیلیوں کی طرح باتیں کر رہی تھیں۔

ابرش کی بے تکی گفتگو نے نائمہ پاشا کی آنکھوں سے مارے ہنسی کے پانی نکال دیا۔ بہت دنوں سے جمی اندر کی کثافت چھٹ گئی تھی۔ انہوں نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ ابرش سے انہیں بے حد اپنائیت محسوس ہوئی۔ اس کے وجود میں کسی کی خوشبو تھی۔ کسی بہت اپنے کی۔ کس کی؟ اس بارے میں سوچنے سے بھی انہوں نے گریز کیا۔

جس وقت ابرش اس شاندار بنگلے سے نکلی، پونے بارہ ہو چکے تھے۔ پندرہ منٹ اسے آفس پہنچتے لگتے تو بارہ بج ہی جاتے۔ گاڑی چلاتے اس کا دماغ مسلسل کوئی بہانہ سوچ رہا تھا جو وہ پاپا کے سامنے کر کے جان بچائی۔ کچھ بھی تھا، وہ آج بے حد خوش تھی۔ سالک پاشا کے گھر سے ہو کر آئی تھی۔ وہاں کے چپے چپے پر اس کا لمس اور خوشبو بکھری تھی، اس کے بس میں ہوتا تو چرا لاتی۔ اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ اسے سالک پاشا سے محبت ہو گئی تھی، ایسی محبت جو ہمیشگی ہوتی ہے۔ جو سدا شاداب رہتی ہے۔ سدا بہار محبت۔

☆☆☆

صحن میں بڑی پیاری دھوپ پھیلی تھی۔ کافی دن بعد ٹھٹھرتے بدن سینکنے کے لیے باہر بیٹھنا نصیب ہوا۔ دادا اور شاویز بھی بیچ صحن میں کرسیاں ڈالے سر جوڑے بیٹھے تھے۔ دونوں جیسے سینگ لڑانے جا رہے تھے۔ دادا کے ہاتھ میں تصویریں تھیں جنھیں وہ نظر کا چشمہ لگائے بڑے غور سے اور اکیلے دیکھنے کی کوششوں میں تھے تو دوسری طرف شاویز بھی مسلسل اچک اچک کر اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتا تھا مگر مجال ہے جو دادا نے ایک نگاہ بھی اس کو ڈالنے کا موقع دیا ہو۔ وہ جتنی تیزی اور چاپلوسانہ انداز میں دادا کے بالکل ساتھ جڑ کر تصاویر دیکھنے لگتا، دادا اتنی ہی پھرتی سے پھدک کے کرسی سمیت پرے کھسک جاتے۔ شاویز خون کے گھونٹ بھرتا ٹرائی ٹرائی اگین کرتا رہتا۔ ایسی ہی ایک ٹرائی مارنے کے چکر میں شاویز کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا اور اس ڈر سے کہ کہیں دادا فٹافٹ پھر تصویروں سمیت اس کی پہنچ سے دور ہو جائیں، اس نے ''ڈو جمپ'' مارا اور دادا کی گودی میں جاتا جاتا بچ گیا۔ لیکن گال سے گال ضرور رگڑ کھا گیا۔ دادا کی بس ہو گئی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ رکھ کے چھڑی برسا دی پنڈلی پر۔ شاویز نے ہڑبڑا

کے بیک گیئر پر ڈڈو جمپ کیا اور ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔
دادا نے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
"کاہے کو اتنا اتاؤلا ہو رہا ہے۔ کیا کبھی زندگی میں لڑکیاں نہیں دیکھیں جو یہ تصویریں دیکھ کر شوق پورا کرنا ہے تو نے۔ حد ہی ہو گئی۔ لے کے ایسی چھلانگ لگائی ہے کہ مجھے لگا میرا گال اکھاڑ ڈالے گا تو بے شرم۔ اتنا تیرے جذبات جامے سے باہر ہوئے پڑے ہیں تو اندر چولہے پر پانی ابل رہا ہے، وہ انڈیل لے خود پر۔ خبیث۔"
شاویز دادا کو شاکی نظروں سے دیکھتا بولا۔
"کیا دادا۔ ایک تو میں ہی لایا ہوں یہ پکچرز اور آپ مجھے ہی دیکھنے نہیں دے رہے۔ جب کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ مومن کے لیے لڑکی ہم دونوں مل کے پسند کریں گے۔"
"ہاں تو کب انکار کیا ہے میں نے۔ ایک بار لڑکی پسند آ لینے دے تو پھر تجھے لازمی دکھاؤں گا نا۔ میں وعدہ خلاف نہیں ہوں۔"
شاویز دادا کی چالاکی پر انہیں بس دیکھ کر رہ گیا۔ اس سے زیادہ بھلا کرتا بھی کیا۔ اگلے چند منٹ بڑی مشکل سے دادا کو بغور لڑکیوں کا جائزہ لیتے دیکھتا رہا اور پھر ناچار بول ہی پڑا۔
"دادا۔ مومن کے لیے ہی پسند کر رہے نا آپ۔ جس طرح سے آپ تصویر کو "تھری ڈی ورژن" میں تاڑ رہے ہیں مجھے تو آپ کی نیت پر شک ہو رہا ہے۔"
"ابے او۔ پھوٹ لے یہاں سے۔ چل شاباش۔ ورنہ آج تجھے ایسی مار ماروں گا کہ تیرا سوجا منہ دیکھ کر تیرے اپنے گھر والے۔ تجھے گھر میں گھسنے نہ دیں گے۔ سمجھا۔"
"ہاں تو وہ ابھی بھی کون سا گھسنے دیتے ہیں۔" شاویز مصنوعی آزردگی سے بولا۔ "جب بھی رات کے ایک ڈیڑھ بج جائیں مجال ہے کہ میاں جی میرے لیے دروازہ کھول دیں۔ اندر سے ہی آواز لگاتے ہیں۔ "بیٹھا رہ بیٹا تھڑے پر ہی۔ اب تو صبح ہی گھسے گا تو اندر۔ بس دادا! یہ سب لاڈ ماں ہی دیکھتی ہے اور جن بچوں نے بچپن سے ماں نہ ہونے کا دکھ سہا ہو ان کو یوں ہی تھڑے پر راتیں بتانی پڑتی ہیں۔"
شاویز کی بات پر دادا نے تصویروں سے نگاہ اٹھانے کی زحمت کی اور انہیں تپائی پر الٹا کر رکھا۔ شاویز کی "ٹریجک بوتھی" دیکھی اور اپنی چھڑی پکڑ کر ایک بار پھر اس کی ران پر برساتے ہوئے بولے۔
"اوئے چغد۔ چھ مہینے نہیں ہوئے تیری ماں کو گزرے اور بچپن کے دکھ تو ایسے گنوا رہا ہے جیسے تیری ماں نے اس جہان سے گزر جانے کے بعد تیرا پارسل اگلے جہان سے بھیج دیا تھا کہ لو اس کاکے منے کو پال لینا لوگو۔ وڈا تو ایکٹر۔ شکل دیکھی ہے اپنی تو نے۔ میلی نہ ہو تو۔"
"دادا۔ آپ مجھے کچھ زیادہ ہی انڈر ایسٹیمیٹ کر رہے ہیں۔ ورنہ میرے حسن سے تو میری ماں تک خائف رہا کرتی تھی۔ باہر بعد میں نکلتا تھا، کالا ٹیکا پہلے لگا دیتی تھی مجھے۔ امی کی اس حرکت کا تو میرے دوستوں میں بھی خوب چرچا تھا۔"
"ارے! آٹے کا ٹیکا لگاتی تھی وہ، کچھ کنٹراسٹ تو بنتا تھا۔ کالا ٹیکا بھلا دکھائی کب پڑتا تھا۔"
دادا نے ہنستے ہوئے اس کی سانولی نمکین رنگت پر چوٹ کی تو وہ سچ میں منہ پھلا کے بیٹھ گیا۔ دادا کے پاس بھی تو ایک یہی تفریح تھی۔ شاویز کا اپنی باتوں سے ناک میں دم کرنا۔ اس کا چڑنا انہیں مزا دیتا تھا۔ اچھا ٹائم پاس تھا وہ۔ شاویز بھی ہر روز لازمی ان کے پاس وقت گزاری کے لیے آ جاتا تھا اور پھر چونچیں لڑائے رکھتے تھے دونوں۔ حالانکہ گھر میں شاویز کے اپنے دادا بھی تھے جنہیں وہ میاں جی کہتا تھا مگر ان سے ذرا کم ہی بنتی تھی اس کی۔ وہ مزاجاً خاصے روکھے اور کرخت تھے۔ لیکن دادا واحد شخصیت تھے جو جب بھی میاں جی سے ملتے، انہیں ہنسی کی ڈرپ ضرور لگاتے جو دادا کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر قطرہ قطرہ گرتی رہتی۔

کچھ دیر منہ پھلائے رکھنے کے بعد پھر اس کی زبان پر کھجلی ہوئی۔
"ویسے دادا۔ آپ خواہ مخواہ میں بچیاں دیکھ رہے ہیں۔ پہلے پوتے کی بھی تو خبر لیں کہ وہ ان میں سے کسی کے ساتھ شادی کے لیے راضی بھی ہو گا یا نہیں۔ کیونکہ میں نے مومن کو موبائل پر کسی لڑکی سے بات کرتے سنا تھا۔ بڑے دانت نکل رہے تھے اس کے اور لہجہ ایسا تھا جیسے قرض مانگ رہا ہے۔ آپ پتا کریں دادا۔ یہ نہ ہو کہ ان میں سے جو آپ کو پسند آئے، اس کے لیے مومن مانے نا اور آپ مجھے بلی کا بکرا بنا دیں اور آپ کو پتا ہے نا کہ مجھے قربانی دینے کا بہت شوق ہے۔"
دادا نے عینک کے اوپر سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ایک ابرو اچکا کر استہزائیہ ہنسے اور گردن کو موڑتے ہوئے بولے۔
"نا۔ نا۔ ایسی قربانی دینے کا شوق تو میری بھی نس نس میں دوڑتا ہے۔ تمہیں قربانی کا جانور بننے کی ضرورت نہیں۔ آج بال کالے کر لوں نا تو لوگ مجھے مومن کا بڑا بھائی کہیں۔"
اس قدر مبالغہ آرائی پر شاویز کا منہ کھل گیا۔ وہ چمک کے بولا۔
"اشکے بھئی اشکے۔ دادا! بال تو کالے کر لیں گے۔ لیکن تب کیا کریں گے جب "قبول ہے، قبول ہے" کہتے دانت باہر گر پڑیں گے۔ آپ تو "پچمی" والا منہ بھی بنا لیں تو بتیسی دوبارہ سیٹ کرتے ہیں۔ "قبول ہے" کے لیے تو تین دفعہ پچمی والا منہ بنانا پڑے گا۔"
"اٹھ جا۔ اٹھ جا بے غیرت۔ بزرگوں کا کوئی لحاظ ہے یا نہیں۔ کندھے پر بٹھایا تو کان میں چلانے لگے۔ دفع ہو جا اور ویسے بھی آج کل دلہا کے منہ پر رومال رکھنے کا رواج پلٹ آیا ہے۔ پتا نہیں لگتا کہ منہ میں دانت اور پیٹ میں آنت ہیں یا نہیں۔"
دادا کی تان وہیں آ کر ٹوٹی۔ شاویز نے ہاتھ جھاڑے اور ذرا آگے ہو کر تپائی پر رکھی تصویریں اٹھانے لگا۔ دادا نے کس کے اس کے ہاتھ پر چپت لگائی۔ وہ بے چارہ سی کر کے واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔
"ان کو چھوڑو۔ تم مجھے تین دن کے اندر مومن کے بارے میں پتا کر کے دو کہ وہ کس لڑکی کے چکر میں ہے۔ آخر چھپا کیوں رہا ہے اگر ایسا کوئی مسئلہ ہے بھی تو۔" دادا نے پرسوچ انداز میں اسے ٹاسک سونپا تو وہ باچھیں چیرتا ہوا بولا۔
"تو پھر ان کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں میں لے جاتا ہوں۔" اس نے ہاتھ دوبارہ تصویروں کی طرف بڑھایا تو دادا جلال میں آ گئے۔
"اتنی کیا پسوڑی ہے تمہیں۔ ایسے ہی مروڑ اٹھنے تھے تو لایا کیوں تھا انہیں۔ تم کچھ بھی کر لو بیٹا۔ تمہاری شادی فی الحال ہونا قرار نہیں پا سکتی۔ کیونکہ ابھی تم "انڈر کنسٹرکشن" ہو۔"
"کیا؟" شاویز نے ہونقوں کی طرح منہ کھولا۔ "کیا مطلب ہے دادا آپ کا۔"
"او۔ او جاہل آدمی۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ابھی پڑھائی تمہاری مکمل نہیں۔ تیسرا سال ہے تمہارا ایم بی اے ہونے میں نہیں آ رہا۔ کمائی ابھی تمہاری نہیں اور جو ہے وہ بھی تمہاری نہیں، خیر سے تمہارا دادا کپتی زنانی کی طرح جھپٹ لیتا ہے۔ لہذا سکون سے دو سال اور لگاؤ ایم بی اے کرنے میں۔ اس کے بعد دو سال لگاؤ دادے سے چھپا کے اپنی کمائی میں سے بچت کرنے میں۔ اس کے بعد میں خود سر پر سہرا ڈال کر گھوڑی چڑھوں گا۔"
"واہ۔ بہت خوب۔ یعنی کہ اتنی جان میں ماروں اور گھوڑی آپ چڑھ جائیں۔ خاصے سیاسی نہیں ہو گئے آپ دادا۔ کیا کہنے۔ کمال است۔" طنز سے سر دھنتا شاویز دادا کو زہر لگا۔ نتھنے پھلاتے ہوئے بولے۔
"بات سن میری است، پست! تجھے ایک کام سونپا ہے وہ کر۔ مومن کی سیٹنگ کس کے ساتھ ہے مجھے پتا کر کے دو۔ ورنہ تیرے دادے کو کہہ کر تیرا ایڈمیشن کچی میں کروا دوں گا۔"

"ہونہہ۔ شاویز نے اتنی کچی گولیاں نہیں کھیلیں دادا۔ کل شام سے پہلے پوری رپورٹ پیش کردوں گا۔ لیکن اس کے بدلے میں آپ کو میری بات اس سے چلوانی ہوگی۔"

"کس سے؟" دادا نے اچنبھے سے پوچھا

"تیسری والی سے۔"

"یہ تو بھینگی ہے۔"

"دادا آپ نے عینک اتار رکھی ہے۔ دھیان سے دیکھیں۔"

"تو تجھے لگتا ہے کہ اتنی دیر سے میں چنے بیچ رہا تھا کیا۔ دھیان ہی تو جمایا ہوا تھا۔"

"نہیں خیر مجھے آپ سے اس بات کی توقع تھی۔ بس آپ اس لڑکی سے میری بات چلوائیں گے۔ بھیا اور بھابی کو کہہ کر۔ میاں جی کو وہ دونوں خود منالیں گے۔"

"اگر اس لڑکی پر تیری نظر تھی تو اس کی تصویر کیوں لایا تھا خبیث۔ اگر مجھے مومن کے لیے پسند آجاتی تو۔"

"نہیں آنی تھی نا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی پلان کے مطابق مجھے آپ کو بتا دینا تھا کہ مومن کہیں پھنسا پڑا ہے۔"

"بڑا ہوشیار ہے تو۔ کتنی چالاک آتما ہے تیری شاویز۔ مجھے تو تیرا شوق دیکھ کر یہ گمان گزر رہا ہے کہ اگر تیری سچ میں کہیں بات نہ چلائی گئی تو، تو اپنے آپ سے ہی شادی نہ کرلے کہیں۔"

"استغفار۔ اتنے برے حالات نہیں میرے دادا۔ اُفف۔ آپ بھی نا۔ بولتی بند کرا دیتے ہیں۔"

"ہاں تو بند کر بولتی اور مجھے پتا کر کے بتا شاباش۔ پھر میں تجھے انعام کے طور پر اس لڑکی کے ابا سے ملوادوں گا۔ آگے کی سیٹنگ خود ہی کرنا۔"

دادا سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔ شاویز بھی بے بسی سے سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں یقین دہانی کروا کے وہ پلیٹ میں پڑے آخری دو بسکٹ اٹھا کر نکل گیا۔

☆☆☆

چمکتے پھسلتے فرش والے مال میں رش حسب معمول تھا۔ اکتائے چہروں والے شوہر اور پرجوش تاثرات والی بیویاں اور ان کے ساتھ ہر دوسری شاپ میں گھستے بچے، جن کو ان کے باپ بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کے باہر لے کر آتے اور وہ پھر انگلی چھڑا کر کسی اور شاپ میں جا گھستے۔

رائنہ کے ساتھ ساتھ زبردستی چلتی ماحور کو اپنا آپ ایسے ہی کسی بے زار شوہر جیسا لگ رہا تھا۔ وہ تھکن سے چور ہو چکی تھی۔ رائنہ نے آفس کے باہر سے ہی اسے پک کرلیا تھا۔ ابرش کو معلوم ہوا تو وہ اس سے زیادہ تیزی سے بیگ کندھے پر لٹکاتی کھڑی ہوئی مگر عین وقت پر اس کی ماما کی کال آگئی اور اسے فوراً گھر جانا پڑا۔ ماحور نے جی ہی جی میں شکر ادا کیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ابرش کو بھی رائنہ کی طرح شاپنگ مالز کھنگالنے کا کریز ہے۔ یک نہ شید دو شد والا معاملہ ہو جاتا اور اب اس کی بس ہو چکی تھی۔ ستم یہ تھا کہ اتنی دیر میں رائنہ نے کچھ خاص خریدا بھی نہیں تھا۔ وہ زچ ہو کر بالآخر کہہ اٹھی۔

"کہاں خوار کرا رہی ہو رائنہ کی بچی۔ سارا دن آفس میں کھپنے کے بعد تمہارے ساتھ مالز میں پچھلے ڈھائی گھنٹوں سے خجل ہو رہی ہوں اور خریدا تم نے کیا ہے۔ یہ فلیٹ سول سینڈل اور بس۔" ماحور نے دونوں ہاتھوں سے جوتے کا ڈبہ اونچا کر کے رائنہ کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ۔" رائنہ نے پلٹ کے دیکھا اور "یہ" پہ زور دیتے ہوئے بولی۔ "یہ تو میں نے ایویں خرید لیا ہے۔ ورنہ مجھے کچھ خاص پسند تھوڑی آیا تھا۔ عاقب کی جیب خالی کروائی ہے، بغیر کچھ لیے گئی تو نیا کھاتہ کھل جائے گا۔ اس لیے مجھے خریدنے دو، عزت کا سوال ہے ماہی۔"

رائنہ اتنے رسان سے بولی جیسے عاقب بھائی سے یہ پیسے وہ شاپنگ کے لیے نہیں بلکہ خدمت خلق کے لیے لے کر آئی ہو اور چلتے پھرتے کوئی فقیر یا

مستحق ڈھونڈ رہی ہو جسے یہ پیسے دے کر ہی جانے ہوں۔

''اگر مجھے کچھ بھی اپنے لیے پسند نہ آیا تو عاقب کی امی کے لیے دو سوٹ لے جاؤں گی۔ ماں بیٹا دونوں خوش ہو جائیں گے۔''

''توبہ۔ کتنی چالاک ہو تم رائنہ! اب پلیز جلدی کرو۔ مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔ ابھی گھر جا کر بھی سیکڑوں کام میرے انتظار میں ہیں، یہاں سے فارغ ہوں گی تو کچھ نمٹاؤں گی نا۔''

''ہمم! ایسا کرو۔'' رائنہ نے ایک پل کو چلنا ملتوی کر کے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''تم یہ جو سامنے شاپ ہے نا، وہاں گھسو اور میرے لیے دو تین اچھے اچھے سے پرنٹس چوز کر کے خرید لاؤ۔ تمہاری اور میری چوائس آل موسٹ ایک سی ہے، اس لیے مجھے پسند آئیں گے۔ تب تک میں سامنے ''والی شاپ'' پر کچھ دیکھ لوں۔ وقت بچے گا ایسے۔ جاؤ جلدی!''

رائنہ نے ہونق بنی ماحور کو فٹافٹ والٹ سے پیسے نکال کر پکڑائے اور خود مڑ کر سامنے والی شاپ میں گم ہو گئی۔ ماحور کوفت اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات چہرے پر سجائے ''شاپ'' میں جا گھسی۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت اور دیدہ زیب پرنٹس کی بہاریں تھیں۔ عرصہ ہو گیا تھا ماحور کو اتنی نفیس لان پہنے۔ گھر کے حالات بھی اس قابل بھی نہیں ہوتے تھے کہ وہ ٹھیلے سے چار، چار سو والے شرٹ پیس ہی خرید سکتی۔ اس جاب کے بعد ایسی کتنی ہی حسرتیں پوری کرنے کی آرزو تھی مگر ابھی تک تنخواہ نہیں ملی تھی۔ جو ایڈوانس سیلری ملی تھی اس میں تمام بلز اور قرض اتر گیا تھا یہی غنیمت تھا اور جو باقی رقم بچی تھی، ماحور نے سب کے یونیفارمز خرید لیے تھے۔ اس کے تصور میں سیف اور ریان کی ٹخنوں سے اوپر چڑھی پینٹس اور زوہان کی کالر سے ادھڑی ہوئی شرٹ گھوم گئی۔ جنت کی تو شرٹ بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ چکی تھی جسے وہ بڑے طریقے سے سیٹ کر کے اسکول جاتی تھی تا کہ کسی کو اس کی پتلی حالت کی خبر نہ ہو سکے۔ ایک طویل سانس بھر کے ماحور نے اپنا دھیان رولز سے لپٹے تھانوں کی طرف لگایا اور رائنہ کے لیے اس کی چوائس کے حساب سے پرنٹ چوز کرنے لگی۔ ابھی اس نے دو سوٹ ہی اتروائے تھے کہ اسے شدید الجھن ہونے لگی۔ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا تھا یہ تو پکی بات تھی۔ مگر کون؟

اس نے زیرک نگاہی سے اردگرد دیکھا مگر بے سود۔ جلدی جلدی ایک اور خوب صورت سا پرنٹ پسند کر کے اس نے سارے کپڑے پیک کروائے اور بل ادا کرتی باہر نکل رہی تھی جب دروازے کے بالکل ساتھ کھڑے اسٹیچو کی جیب پر لگے بٹن میں اس کے اسٹول کا ٹسل پھنس گیا۔ گردن کو زوردار جھٹکا لگا اور وہ ہڑبڑا کر رکی۔ خفت سے اردگرد دیکھا۔ کسی کو بھی متوجہ نہ پا کر ساری جھنجلاہٹ ایک چماٹ اسٹیچو کے کاندھے پر مار کر اتاری۔

''الو کے پٹھے۔ یہ کاٹھ کے الو راستے میں کھڑے کرنے بہت ضروری ہیں کیا۔ ابھی پھندا لگ کے کام تمام ہو جاتا میرا۔''

اسٹول کا ٹسل کھینچ کر چھڑاتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ اتنے میں اسے محسوس ہوا جیسے اس پتلے میں حرکت ہوئی ہے اور پھر وہ چوڑا چکلا پتلا پورے کا پورا اس کی جانب گھوم گیا۔

''تم۔'' وہ چلائی۔

''ہاں۔ میں۔'' جواباً وہ بھی چلایا۔

رائنہ شاپرز اٹھائے اندر داخل ہو رہی تھی، دونوں کو دیکھ کر اسے بھی چلانا یاد آیا۔

''تم...... اور تم۔ یعنی کہ تم دونوں۔ ہیں جی۔''

اس کی باچھیں چر گئی تھیں۔ مومن اسے اچھی طرح سے یاد تھا۔ اس لیے فوراً پہچان گئی تھی اور پھر ماحور رائنہ سے بھلا اس رات والے واقعے کا ذکر کرنا کیسے بھول سکتی تھی۔

''واہ جی واہ۔ بہت اچھے، تو یہ نوکری کرتے ہو تم۔ یہاں بت بن کے ٹنگے رہنے کی اور یہ ماہی مفت میں سر کھاتی رہتی تھی کہ تم اتنی اچھی جاب لے

اڑے۔ ہٹو ماہی! تم سے تو پندرہ منٹ یوں کھڑا نا ہوا جاتا، سارا سارا دن کھڑا ہونا کوئی مذاق تھا بھلا۔ بڑا اسٹیمنا چاہیے۔ ہر آتے جاتے کی چھیڑ چھاڑ سہنی۔ بچے تو اس حد تک چھیڑتے ہیں کہ اسٹیچو کے کپڑے تک اٹھا اٹھا کے دیکھتے ہیں۔ ہیں جی۔'' رائنہ اپنی بات کا مزا لیتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنستی چلی گئی۔ ماحور رائنہ کو سپاٹ چہرہ لیے ہوئے دیکھے جا رہی تھی جیسے اس کے پاگل پن پر کوئی شبہ نا ہو جب کہ مومن سخت بدمزا ہوتے ہوئے بولا۔

''میں یہاں جاب نہیں کرتا محترمہ! بلکہ......''

''تو کیا امی کے کپڑے لینے آئے تھے۔ ہیں جی!'' آگے بھی رائنہ تھی۔ بات اچکنے میں ماہر۔

''امی کو تو خیر اب ان کی حاجت نہیں کیونکہ اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں۔ ہاں ہونے والی بیوی کے لیے ایڈوانس ''ونڈو شاپنگ'' کر رہا تھا۔ سوچا کچھ تجربہ حاصل کروں گا تو ہی بیوی کو راضی رکھ سکوں گا نا۔ کیوں جی؟'' بات مکمل کر کے تائیدی انداز میں رائنہ کو یوں دیکھا جیسے تعریف کے ڈونگرے کی حاجت ہو اور اس نے برسا بھی دیے۔

''ہائے ہائے! میرے میاں کو بھی مرید کر لو۔ قسم سے بڑا فیض ملے گا تم سے۔ جس خاوند کو شاپنگ کروانی آتی ہو، سمجھو دنیا میں تو اس کا بیڑا پار ہے کیونکہ آفٹر آل ایک اچھے خاوند کی دنیا اس کی بیوی کے ارد گرد ہی تو چکر کھاتی ہے۔ ہیں جی!''

بڑے بڑے باتوں کے دھنی دیکھے تھے مگر ایسا پیس نہیں ملا تھا ابھی تک۔ مومن لاجواب سا ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔ ماحور کو اس کی حالت دیکھ کر مزا آ گیا اور آنکھیں سکوڑ کر دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟ آپ کے باس سے ملاقات ہوئی تھی میری۔ ہماری کمپنی کے ساتھ ڈیل فائنل ہوئی ہے آپ کی کمپنی کی یعنی کہ خود کو پروو کرنے کا وقت آ گیا مومن صاحب۔ ہم دونوں کے لیے! اب آئے گا مزا۔''

''آپ خود کو پروو کر چکی ہیں ماحور۔ اب جیت کے مزے لیجیے بس۔ آپ جیت گئیں۔ سچ میں۔''

ایک جذب کے عالم میں اسے دیکھتا وہ رائنہ کو چونکا گیا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے ماحور کو دیکھا تو اس کے چہرے پر وہی بے نیازی کا عالم تھا۔ ویسے بھی اس نے اس قدر سخت زندگی گزاری تھی کہ نرم گرم احساسات اسے دور سے ہی سلام کرتے تھے۔ لیکن رائنہ کو کسی گڑبڑ کا احساس صاف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے گلا کھنکار کے مومن کو متوجہ کیا۔

''آہم! یہ شاپنگ مال ہے رومیو۔ یہاں ''کچھ کچھ ہوتا ہے'' کا سیکوئل نہیں چل رہا کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ تم میں تو شاہ رخ والی ساری خصلتیں پائی جا رہی ہیں مگر تمہارے مقابل یقین مانو کاجول نہیں ہے۔ ہاں اسے تم پھولن دیوی کا ایڈیٹڈ ورژن ضرور کہہ سکتے ہو۔'' رائنہ نے اس کے کان کے ذرا قریب ہو کر کہا تو وہ ایک پل کو سٹپٹا گیا۔

''توبہ استغفار۔ آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔ ایسا کچھ نہیں۔ مجھے تو بس سر راہ یہ نظر آ گئیں ورنہ تو میں کہاں اور یہ کہاں۔ ہی ہی ہی!'' اسے جواب نہ سوجھا تو مدھم لہجے میں یونہی بے سروپا بول کر دانت نکوسنے لگا۔ رائنہ نے ہاتھ میں پکڑے شاپر اس کو پٹخنے والے انداز میں تھماتے ہوئے کہا۔

''یہ پکڑو۔ ہمارا گھر کہاں ہے یہ تو تمہیں یقیناً پتا ہی ہو گا۔ چلو شاباش۔ ذرا ہمیں ڈراپ کر دو۔ اب کہاں دو جوان جہان لڑکیاں ٹیکسی کر کے گھر جائیں گی۔ سو پلیز تھوڑا کشٹ کرو۔ گاڑی تو ہو گی نا۔ مطلب۔ ماحور سے سنا تھا میں نے کہ......'' رائنہ کی تیز گام کو پیچھے چھوڑتی زبان کو ذرا سا بریک ملا تو مومن جھٹ سے بول اٹھا۔

''جی جی۔ چھوٹی سی گاڑی لی ہے میں نے پچھلے ماہ۔ بالکل چھوٹی سی۔ آپ لوگ آئیں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ شاپنگ بیگز بھی مجھے دے دیں پلیز۔'' وہ ماحور کے ہاتھ میں پکڑے شاپرز کی طرف اشارہ کر رہا تھا جنہیں وہ ہنوز تھامے رخ

موڑے کھڑی تھی۔ یوں جیسے وہاں ہے ہی نہیں۔ رائنہ نے ٹہوکا دیا پر جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو اس کے ہاتھ سے شاپرز جھپٹ کر بناوٹی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے مومن کو پکڑائے اور ہاتھ سے اسے آگے چلنے کا اشارہ دیا۔ مومن جز بز ہوتا کن انکھیوں سے ماحور کو دیکھتا، سامنے چل دیا۔

''یہ سڑک کراس کر کے بالکل فرنٹ میں میری گاڑی ہے، ریڈ کلر کی۔'' جاتے جاتے وہ ذرا جتانے والے انداز میں انہیں گاڑی کی نشاندہی کروا گیا۔ ماحور نے تنفر سے نتھنے پھلائے اور دل میں اسے ان گنت بار کمینہ کہا تھا۔

''اب چل بھی پڑو ماہی۔ یا ادھر ہی خیمہ ڈلوانا ہے۔ شکر نہیں کرتیں کہ اتنی خواری کے بعد سواری مل گئی ورنہ آٹو میں جل خوار ہو کے گھر جاتے۔ چلو اب۔'' رائنہ اسے ہلکا سا دھکیلتے ہوئے بولی تو جواباً اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''تم تو جب سے شادی ہو کے میرے پڑوس میں آئی ہو، مجھے یقین سا تھا کہ نیم پاگل ہو۔ پر میرے ہوش ابھی مارے نہیں گئے۔ سمجھیں۔ بابا نے اگر اس گھونچو کے ساتھ ہمیں دیکھ لیا تو نشے کی حالت میں وہ آتما رولیں گے نا تمہاری اور میری کہ مرتے دم تک یاد رہے گا۔''

''او بی بی! اور اگر ہمیں مزید کچھ اور وقت یہاں لگ گیا نا تو میری ساس نے میری آتما کو تیلی لگا کے پھلجڑی کی طرح فضا برد کر دینا ہے۔ اس لیے خاموشی سے اس نیک لڑکے کی نئی گاڑی میں گھر چلو۔ آؤ جلدی اسی بہانے ذرا دیکھیں تو سہی کس ماڈل کی کار لی ہے اس نے۔''

وہ اشتیاق میں اسے چٹکی بھرتی مٹک مٹک آگے چل دی اور ماحور پیر پٹختی اس کے پیچھے۔ روڈ کراس کرتے ہی وہ ریڈ کلر کی وٹز کے ساتھ ٹیک لگائے غضب کا لگ رہا تھا۔ آف وائٹ جینز پر نیوی بلو شرٹ کے بازو کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ کر رکھے تھے۔ رائنہ اس کے کان میں بدبدائی۔

''ویسے بندہ دھانسو ہے۔ وہ کون سا ہیرو ہے بھلا۔ کیا نام ہے یار۔'' اسے مومن میں کسی ہیرو کی شبیہہ دکھائی دی تھی

''اجے دیوگن۔'' ماحور نے سڑ کے جواب دیا

''فٹے منہ۔ وہ کوئی ہیرو ہے۔ اسے تو کاجول نے منہ لگا لیا ورنہ تو اس کا منہ پرانی لالٹین سے نکلتے ہوئے کسیلے دھوئیں جیسا ہے۔'' ایسی لمبی چوڑی اور تھرڈ کلاس مثال پر بے اختیار ماحور کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوا جسے اس نے اپنا بیگ منہ کے آگے کر کے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ مومن سٹپٹا کر کن انکھیوں سے خود کا جائزہ لینے لگا۔ اسے شک گزرا کہ ماحور اسی پر ہنسی ہے۔ لیکن سب کچھ فٹ تھا۔ اس نے قدرے مطمئن انداز میں دونوں کے قریب آنے پر گاڑی کے پچھلے دروازے کھولے۔ رائنہ اس کے اخلاق جتانے پر مسکراتی ہوئی اسے دیکھتی بیٹھ گئی جبکہ ماحور نے اچھی طرح اسے گھورا اور احسان جتاتے ہوئے بیٹھی اور زوردار آواز کے ساتھ گاڑی کا دروازہ بند کیا۔ مومن نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا اور منہ ہی منہ میں اسے ''ظالم'' کہتا ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ سارا راستہ رائنہ اور مومن چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے تھے۔

رائنہ نے اس کا تفصیلی انٹرویو لے لیا تھا۔ مومن نے بیک ویو مرر کو ماحور پر سیٹ کر رکھا تھا جس کے چہرے کے زاویے بگڑے بگڑے سے بھی اس کے جی کو بھا رہے تھے۔ وہ اپنے ہی حساب کتاب میں کھوئی خود سے الجھ رہی تھی۔

''ایک دن ایسی ہی گاڑی لوں گی میں مومن تراب! دیکھنا تم۔ تم نے لی بھی ریڈ کلر کی ہے۔ بھلا اور کوئی رنگ نہیں رہا تھا شوروم میں۔ ہونہہ!'' اس کی گاڑی کو ستائش اور رشک سے دیکھتی وہ مستقبل کے پلانز بنا رہی تھی ساتھ میں اسے کوس بھی رہی تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی۔ اسے ایک بہترین جاب بھی مل چکی تھی اور گھریلو حالات بہت اچھے نا سہی تو دگرگوں بھی نہ رہے تھے کم از کم جب وہ جاب لیس تھی اور گھر

میں جس طرح سے فاتے اتر آئے تھے، وہ وقت یاد آتا تھا تو اس لمحے خود کو بہت آسودہ محسوس کرتی تھی۔ لیکن جب بھی مومن تراب کو دیکھتی یا کبھی بیٹھے بٹھائے اس کا خیال آ جاتا تو دل بے کار میں اس سے الجھنے کے لیے مچلنے لگتا اور جب کوئی وجہ سمجھ نہ آتی تو مومن کی جاب ایک اچھا بہانہ بن کر اس کے سامنے سر اٹھائے کھڑی ہو جاتی جس کو جواز بنا کر وہ بلاوجہ کی خار کا اظہار کرتی۔ وگرنہ اس نے اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھا تھا، اسے مومن سے اس کی جاب کے حوالے سے اب نہ تو کوئی گلہ تھا نہ حسد اور جو تھا اس جذبے سے ابھی اس کے دل کو آشنائی نہ تھی۔

وہ بیک ویو مرر سے مومن کی خود پر ٹکی نظروں سے بے نیاز باہر بھاگتے مناظر کو دیکھتی فضول باتیں سوچنے میں مگن تھی جب گاڑی اس کے گھر کے چھوٹے سے گیٹ کے آگے جا ٹھہری۔ غائب دماغی سے اس نے اپنا ہی گیٹ دیکھا اور ارد گرد نظر ڈالی۔ اگلے ہی پل حواس چوکس ہوئے اور بوکھلا کر رائنہ کی ٹانگ پر زور سے چٹکی کاٹی۔ وہ بے چاری سی کرتی غصے سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ چوک پر گاڑی رکواتیں۔ سیدھا گھر کا راستہ دکھا دیا بے وقوف۔" وہ رائنہ کے کان میں گھسی کہہ رہی تھی۔ جواباً رائنہ اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔

"اویں چوک میں اتر جاتے۔ عاقب کی امی وہاں آنٹی نصرت کے ساتھ کھڑی تھیں۔ تمہارے بابا کا ہمیں دیکھ لینا تو چانس پر ہے مگر میری ساس اگر ہمیں دیکھ لیتیں نا تو میرے گھر پہنچنے سے پہلے عاقب کو کال جا چکی ہوتی اور تمہیں پتا ہے کہ وہ سیاق وسباق معلوم کیے بغیر ہائپر ہو جاتے ہیں۔ اترو اب۔ یہ گاڑی ہم دونوں میں سے کسی کے جہیز کی نہیں۔ سمجھیں!" رائنہ کے اپنے ہی تحفظات تھے۔

وہ ماحور کو آنکھیں دکھاتی گاڑی سے اتری اور گیٹ کے داہنی طرف لگی چھوٹی سی بیل دینے لگی۔

"ویسے گھر کا راستہ تو میں نے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔ ہاں دل کا پتا معلوم کرنے کی کوششوں میں ہوں۔ اب تو وہاں تک رسائی چاہیے۔" گمبھیر لہجہ۔ بھاری آواز۔ یہ وہ مومن تراب تو نہیں تھا جسے وہ اب تک جانتی تھی۔ اس گھڑی تو اس کی آنکھوں کے انداز ہی بدلے ہوئے تھے۔ بیک ویو مرر سے جھانکتی اس کی لائٹ براؤن آنکھوں پر ماحور کی نگاہ پڑی تو دل کی ایک دھڑکن جیسے اچھل کر سماعت کے پاس آ دھڑکی۔ اس نے فوراً نظریں چرائیں اور چہرے پر لاپروا سے تاثرات طاری کرتے ہوئے بولی۔

"گھر کے اندر تک آئیے۔ دل کا پتا میرے بھائی سمجھا دیں گے۔ انہیں شارٹ کٹ معلوم ہے۔"

مومن نے استعجاب سے اسے گاڑی سے اتر کر گھر کے اندر جاتے ہوئے دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بالوں میں ہاتھ پھیر کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا کہ اتنے میں ہی رائنہ پر نگاہ پڑی۔ وہ ماحور کے گھر کے گیٹ پر کھڑی اسے ہاتھ سے باہر آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ دو لڑکے بھی کھڑے تھے جن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر گاڑی کے شیشے میں منہ گھسا کر اپنا تعارف کروایا۔

"السلام وعلیکم۔ میرا نام سیف ہے۔"

"میرا نام مومن تراب ہے۔" مومن نے سیف سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"آپیا سے ایک دو بار آپ کا ذکر سنا ہے۔ آئیے اندر چلیے۔ ایک کپ چائے ہو جائے۔ آئیے پلیز۔"

"ارے نہیں پلیز۔ پھر کبھی سہی۔ مناسب نہیں لگتا۔"

"پلیز مومن بھائی! تکلف نہیں۔ آ جایئے۔"

سیف کے اصرار پر اسے اترنا پڑا۔ پر درحقیقت وہ بھی یہی چاہتا تھا۔ اور قدرت نے موقع فراہم کر دیا تھا۔ سیف نے مومن کو ریان سے متعارف کروایا اور گھر کے اندر لے گیا۔ رائنہ بھی شوخی سے مسکراتی ساتھ ساتھ تھی۔ موسم بے حد خوش گوار تھا، مومن کے کہنے پر وہ سب وہیں صحن میں لگی کرسیوں پر بیٹھ

گئے۔ رائنہ نے فوراً اندر کچن کا رخ کیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ چائے بنانے کی زحمت اسے ہی کرنا پڑے گی، ماحور تو جان بوجھ کر کمرے میں اوجھل ہو چکی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ چائے بنا کر باہر صحن میں لے آئی تو وہاں کا ماحول بے حد خوش گوار تھا۔ مومن، سیف اور ریان کے ساتھ یوں گھل مل گیا تھا جیسے کب سے جانتا ہو اور وہ دونوں بھی دوستانہ انداز میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے بے تکلفی سے نہ جانے کون سے قصے چھیڑے بیٹھے تھے۔ رائنہ نے ایک پرسوچ نگاہ تینوں پر ڈالی اور آسودہ سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر ان میں شامل ہو گئی۔

کچھ دیر بعد جب ماحور اپنے ہی دھیان میں کمرے سے باہر آئی تو صحن سے آتے بلند و بانگ قہقہوں پر بری طرح چونکی۔ کچن کی جالی سے جھانکا تو موصوف صحن کے بیچوں بیچ راجا اندر بنے بیٹھے باقی تمام رعایا کو متاثر کرنے کے لیے شیخیاں بگھار رہے تھے اور وہ سب اتنے انہماک سے سن رہے تھے جیسے روئے زمین پر اس سے ضروری کام فی الوقت اور کچھ نہیں تھا۔ رہی سہی کسر زوہان کو گود میں بٹھا کر نکال رکھی تھی۔ عاقب بھائی بھی آئے بیٹھے تھے اور یہ رائنہ کی بچی۔ اس نے رائنہ کو دیکھ کر دانت پیسے۔

”حد ہو گئی۔ یہ موصوف تو پورے گھر میں جراثیم کی طرح پھیل گئے اور دیکھو ذرا ان نمونوں کو۔ ابھی جو آجائیں نا جھومتے جھامتے بابا تو ان کی ساری محفل پر ایسی عطر کی پھوار پڑے گی کہ سب کے حواس کئی دن تک معطر رہیں گے۔“ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی اور کڑھ رہی تھی۔ مومن کی چالاکی پر تاؤ بھی آرہا تھا۔ کینہ توز نظریں اس پر گاڑیں جو فرصت سے کف فولڈ کیے، دونوں ٹانگیں قدرے پھیلا کر بیٹھا تھا جیسے یہیں رہنے کا ارادہ ہو۔ سلیقے سے جمے بال اب بکھر کر پیشانی پر پڑے تھے۔ ماحور نے اس پر سے بے ساختہ نظر ہٹائی اور خود بھی وہاں سے ہٹ گئی۔ گھر تک تو آ گیا تھا، دل تک آنے میں کچھ ہی وقت باقی تھا۔

☆☆☆

چھوٹی سی میز کے گرد وہ پانچوں بہن بھائی خاموشی سے کرسیوں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ماحور چہرے پر بھرپور سنجیدگی طاری کیے چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کے منہ میں رکھتی چلی جا رہی تھی جیسے اسے چابی دی گئی ہو۔ ایک اچٹتی نگاہ وہ سب کی پلیٹوں پر بھی ڈالتی تھی کہ کسی کو کوئی چیز تو نہیں چاہیے۔

کچھ فاصلے پر سنگل صوفہ پر رائنہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں پرانا بوسیدہ سا فیشن میگ تھا جو اللہ جانے کہاں سے عقیل مغل ہی پکڑ لائے تھے۔ اسی کی آڑ سے وہ گاہے بگاہے سیف کو دیکھتی ہاتھ سے ”کیا ہوا اسے۔؟“ کے اشارے بھی کر رہی تھی۔ سیف ٹیبل کے نیچے اپنا بایاں ہاتھ لے جا کر جوابی اشارہ کر رہا تھا۔ ”پتا نہیں۔“

ریان کو اس ساری صورت حال پر ہنسی آ رہی تھی جسے وہ بمشکل روکے ہوئے تھا۔ ان سب کو خبر تھی کہ ماحور کا غصہ کس بات پر اور کیوں ہے مگر انجان بنے رہنے میں ہی عافیت تھی تاوقتیکہ وہ خود نہ کچھ کہتی۔ اسے سب پتا چل رہا تھا کہ اردگرد کیا ہو رہا ہے اور تو اور زوہان اور جنت بھی بھنچی بھنچی مسکراہٹ لیے رائنہ کو دیکھتے اور پھر ماحور کو۔ صورت حال اس کی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ اب کے سیف نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا تو اس نے وہیں دھر لیا۔

”کیا ہے۔ ہاں۔ کیا دیکھتے ہو بار بار۔ میری شکل پر کوئی دوسری ناک اگ آئی ہے یا تمہاری آنکھوں کی الائنمنٹ خراب ہے۔ اپنے کرتوت سے تم سب باخبر ہو۔ سمیت اس ”آستین کی گنڈوئی“ کے۔“ یہ اس نے رائنہ کو کہا تھا، جس نے یہ لفظ سنتے ہی زوردار ”ہاااا“ کے ساتھ میگزین تپائی پر پٹخا اور آستینیں چڑھا کے میدان میں اتر آئی۔

”توبہ توبہ۔ کوئی شرم ہے تمہیں ماہی۔ مجھے۔ مجھے کہہ رہی ہو تم وہ۔ وہ کیا بولی ہو تم۔ گنڈوئے کی گھر والی۔ اُف! مجھے تو کہا ہی ساتھ میں عاقب کو گنڈو یا

کہہ ڈالا ظالم۔ مانا کہ ان کو دیکھ کر کسی لڑکی کی ٹھنڈی آہیں نہیں نکلتیں، لیکن اب وہ ایسے بھی گئے گزرے نہیں۔ سمجھیں تم ماحور مغل۔" رائنہ کی جذباتی فقروں کا ماحور پر چنداں اثر نہیں ہوا، ہنوز وہ کھانا کھانے میں مگن رہی۔ رائنہ نے سیف اور ریان کو دیکھ کر بھنویں اچکائیں اور کچھ بولنے کا اشارہ کیا۔ تبھی سیف نے ہمت کی۔

"اپیا!"

"کیا اپیا؟ کون اپیا۔ بھاڑ میں گئی اپیا۔" ماحور چیخ پٹختی ہوئی غصے سے بولی۔

"اپیا۔ وہ ہمارے گھر آئے تھے۔ ہم بھلا کیسے انہیں اگنور کر سکتے تھے اور پھر۔ اور پھر یاد ہے آپ نے ہی تو مجھے بتایا تھا کہ اس رات مومن بھائی نے ہی آپ کی مدد کی تھی۔ آپ کو بخیریت گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ ہمارے محسن بھی ہیں اپیا۔"

ماحور سیف سے کچھ نہیں چھپاتی تھی۔ اس رات کا سارا قصہ ذرا سی کانٹ چھانٹ کے ساتھ وہ سیف کو بتا چکی تھی۔ یعنی غائبانہ وہ مومن سے واقف تھا۔

"اچھا۔ ایک ہی ملاقات میں وہ مومن "بھائی" بھی بن گیا۔ واہ کمال ہے۔ مجھے تو حیرت تم لوگوں پر ہے کہ کیسے تین گھنٹے تک اسے صحن میں بٹھائے باتیں مٹھارتے رہے ہو۔ جیسے پتا نہیں کب کا بچھڑا رشتے دار ملا تھا تم لوگوں کو اور...... اور اس کو دیکھو ذرا۔" ماحور نے زوہان کے سر پر چپت لگائی۔

"یہ اس کی گود میں جا بیٹھا، ننھا کا کا نا ہو تو۔ شرم نہیں آئی اسے۔" زوہان خاموشی سے سر سہلاتے ہوئے کھانا کھانے میں مگن رہا۔ وہ کسی بھی بات کی ٹینشن کم ہی لیتا تھا۔ ماحور نے اسے چھوڑ کر اس کے عقب میں دکھائی دیتی رائنہ کو گھورا تو وہ سٹپٹا کر گردن کھجانے لگی۔

"تم...... تمہیں تو میں اکیلے میں نبٹتی ہوں۔ تمہاری ساری چالاکی سمجھ گئی ہوں میں۔ لیکن میں بتا رہی ہوں تمہیں کہ ایسی کوئی بات جو تمہارے گمان میں ہے وہ میں پوری ہونے نہیں دینے والی۔ سمجھیں۔" انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتی ماحور کو رائنہ نے سیز فائر کا سگنل دیا اور جنت اور زوہان کو کمرے میں بھیجنے کا اشارہ کیا۔ وہ آج خلاف معمول وہاں اس وقت تک بیٹھی تھی تو یقیناً کوئی مسئلہ تھا۔ اس طرف ماحور کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

جنت اور زوہان کھانا کھا چکے تھے، انہیں فوراً اندر بھیجا۔ صبح ان کا اسکول تھا اور یا حور انہیں رات ساڑھے آٹھ تک لازم سلا دیتی تھی۔ وہ دونوں جا چکے تو رائنہ تھوڑا سا کھسک کر آگے ہوئی اور مدھم آواز میں گویا ہوئی۔

"ماہی! مجھے عاقب نے بتایا ہے کہ اس نے عقیل انکل۔ کو پچھلے چوک میں الیکٹرک پول کے نیچے آوارہ اور بدقماش آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر جوا کھیلتے دیکھا ہے۔ انکل جوا کھیلنے لگے ہیں ماہی۔ جوا سمجھتی ہو۔" اس کے لہجے کی سراسیمگی نے ان تینوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔

ریان نے بے بسی سے اپنی خالی کلائی کو دیکھا جس میں موجود گھڑی بابا نے تین دن پہلے ہی پہننے کے لیے اتروائی تھی اور ابھی تک واپس نہیں کی تھی۔ ماحور کا تو گلے ہی بل سر چکرانے لگا۔ پچھلے مہینے میں گھر کی چند چیزیں غائب ہوئی تھیں۔ لیکن انہیں نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پر یہ کڑی عقیل مغل کے جوا کھیلنے سے جڑی تھی۔ آج چھوٹی موٹی چیزیں تو کل بڑی بھی۔ یہ تو نہ تھمنے والا سلسلہ تھا۔ اور ان بہن بھائیوں کے لیے پریشانی کا ایک نیا در کھل گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)